فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ١١٠

از جولائی ١٩٧٢ء تا دسمبر ١٩٧٢ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
١	جناب ڈاکٹر سید احتشام احمد صاحب ندوی	١٢٨	٧	اعظمی مدرس مرکز علوم مدرسۂ قرآنیہ جونپور جناب مولوی سلمان شمسی صاحب ندوی	١٤٤، ٢١٣، ٢٩٣
٢	جناب مولانا قاضی اطہر مبارکپوری اڈیٹر البلاغ بمبئی،	١٠١، ١٢٩، ٣٠٥	٨	سید صباح الدین عبد الرحمٰن	٣٢٢، ٣٢٥، ٣٧٩، ٣٩٨، ٤٢٩۔
٣	جناب الطاف حسین خاں صاحب شروانی اسلامیہ کالج، اٹاوہ	٢٨، ١١٥، ٢٨٢، ٣٦٩	٩	ضیاء الدین اصلاحی رفیق دار المصنفین	٧٧، ١٥٦، ٢٢٦، ٢٣٥، ٣١٨، ٣٥٣، ٣٩٨، ٤٧٥
٤	جناب ڈاکٹر سید امیر حسن صاحب عابدی، دہلی یونیورسٹی	٢٠٧	١٠	جناب ڈاکٹر عبد الباری صاحب	٢٦٧
٥	جناب بدیع الزمان صاحب اعظمی	١٣٠		ایم اے، بی۔ ایل، پی ایچ ڈی	
٦	جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب	٥٦		لکچرر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ	

شمار	اسماے گرامی	صفحہ
۱۱	جناب مولانا عبد بجار صاحب استاذ مفتاح العلوم مئو، (اعظم گڈھ)	۶۹
۱۲	جناب مولانا قاضی سید عبد الرؤف صاحب اورنگ آبادی،	۴۶۲
۱۳	جناب لطف الرحمن صاحب پٹینہ	۱۹۹
۱۴	جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی (علی گڈھ)	۵، ۸۵ ۱۷۷، ۲۴۵
۱۵	جناب محمد حمید اللہ صاحب پیرس	۳۰۳، ۴۴۹
۱۶	حافظ محمد نعیم ندوی صدیقی ایم اے رفیق دار المصنفین	۴۲ - ۴۵۴
۱۷	شاہ معین الدین احمد ندوی	۲، ۸۲، ۱۶۲ ۱۶۵، ۲۴۱ ۴۰۲، ۴۰۵

شعراء

شمار	اسماے گرامی	صفحہ
۱	جناب اسلم سندیلوی	۴۷۴
۲	جوہر۔ جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری	۱۵۵
۳	جناب ساحل ناگپوری	۷۶
۴	جناب سید رفیع الدین صاحب سالک رحمانی	۴۷۴۴،۷۷
۵	جناب عروج زیدی	۷۵، ۲۴۴ ۴۷۳
۶	جناب ماہر القادری	۱۵۴
۷	منشار۔ جناب ڈاکٹر محمد منشار الرحمن خاں، منشا	۲۲۵
۸	جناب وارث القادری	۳۲۳
۹	جناب ڈاکٹر ولی الحق صاحب انصاری۔	۱۵۴

فہرست مضامین معارف

جلد ۱۱۰

ماہ جولائی ۱۹۷۲ء تا دسمبر ۱۹۷۲ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	مضامین	صفحہ
	شذرات:۔ ۲-۸۲، ۱۶۲، ۲۴۱، ۳۲۲، ۴۰۲	
	مقالات	
۱	اسلام اور عرب شوسلزم	۴۵۴
۲	برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ کا استعمال	۱۹۹
۳	بعض شبہات اور ان کا جواب	۱۶۵
۴	تہذیب کی تشکیل جدید	۵، ۸۵ ۱۷۷، ۲۴۵
۵	حافظ امان اللہ بنارسی	۱۰۱، ۱۶۹
۶	خریطۂ جواہر	۴۰۵
۷	عہد ہشام کا معاشی جائزہ	۲۶۷
۸	قرون وسطیٰ کی تاریخ اور مورخین کا ایک تنقیدی جائزہ	۲۸، ۱۰۵
۹	قرون وسطیٰ کی تاریخ کے بعض اہم مآخذ	۲۸۲
۱۰	قطب الاقطاب دیوان محمد رشید عثمانی جونپوری	۵۶
۱۱	کلکتہ کا ایک علمی سفر	۳۷۹
۱۲	کلیات علی	۲۰۷
۱۳	کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحۃً بعض متفقہ اسلامی احکام میں تبدیلی کی؟	۴۲

شمار	مضامین	صفحہ	شمار	مضامین	صفحہ
۱۴	کیا علامہ ابن حبان پر زندقہ کا الزام صحیح ہے	۳۵۲	۲۳	ہندوستان کے قرون وسطیٰ کی تاریخ کے بعض اہم ماخذ	۳۶۹
۱۵	لفظ گجراتی کی تحقیق، (ناقدین اردو کے نظریات کی روشنی میں)	۱۱۸		ادبیات	
			۱	آیات طیبات	۲۲۳
۱۶	مرکزی سیاست اور قانون شخصی	۴۴۹	۲	بیان حقیقت	۲۲۴
۱۷	مولانا شاہ غلام مرتضیٰ جنون اور ان کی تفسیر مرتضوی منظوم	۴۶۲	۳	تضمین بر کلام اقبال	۲۲۵
			۴	غزل	۷۵، ۷۶، ۱۵۴، ۱۵۵، ۴۷۳، ۴۷۴
۱۸	مولانا محمد علیؒ کی یاد میں	۳۲۵، ۴۲۹		باب التقریظ والانتقاد	
۱۹	مقالہ نما مضامین الندوہ	۱۴۴، ۲۱۳، ۲۹۳	۱	الجزء الاول من ابواب التراجم للبخاری (مؤلفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب)	۲۲۶
۲۰	مکتوب حمید	۳۰۳			
۲۱	دقت کی اپ اور مساوات وقت	۱۳۸			
۲۲	ہندوستان کی عربی شاعری میں عجمیت پر ایک نظر	۶۹	۴	الہند فی العہد الاسلامی	۳۰۵
				مطبوعات جدیدہ	۷۶، ۱۵۶، ۲۳۵، ۳۱۸، ۴۰۰، ۵۷۵

جلد ۱۱۰ ماہ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخری سنہ ۹۲ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۷۲ء عدد ۱

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی،	۲ - ۴
مقالات		۵ - ۷۴
تہذیب کی تشکیل جدید	جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،	۵ - ۲۷
قرون وسطیٰ کی تاریخ اور مورخین کا ایک تنقیدی جائزہ،	جناب الطاف حسین خان شروانی اسلامیہ کالج اٹاوہ،	۲۸ - ۴۱
کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحۃً بعض متفقہ اسلامی احکام میں تبدیلی کی؟	مترجمہ حافظ محمد نعیم ندوی صدیقی ایم اے رفیق دار المصنفین،	۴۲ - ۵۵
قطب الاقطاب دیوان محمد رشید جونپوری عثمانی	جناب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدرس مرکز علوم مدرسۂ قرآنیہ جونپور،	۵۶ - ۶۸
ہندوستان کی عربی شاعری میں عجمیت پر ایک نظر،	جناب مولانا عبد الجبار صاحب استاذ مفتاح العلوم مئو (اعظم گڑھ)	۶۹ - ۷۴
ادبیات		
غزل	جناب عروج زیدی	۷۵
"	جناب سید رفیع الدین صاحب سالک رحمانی	۷۵ - ۷۶
"	جناب ساحل ناگپوری	۷۶
مطبوعات جدیدہ	"م"	۷۷ - ۸۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

شملہ کانفرنس پر ساری دنیا کے امن پسند ملکوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں، اگرچہ ابھی اہم متنازعہ فیہ مسائل کا تصفیہ نہیں ہو سکا، اور ایسے پیچیدہ مسائل کا تصفیہ اس قدر جلد ہو بھی نہیں سکتا تھا، مگر ایسی بنیادی باتوں پر دونوں کا اتفاق ہو گیا ہے جس سے آئندہ مصالحت کی راہ ہموار ہو گئی ہے، اس کانفرنس کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے، امید ہے کہ جلد ہی دونوں ملکوں میں سفارتی تعلقات قائم ہو جائیں گے، اور ڈاک و آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، اس کامیابی میں مسز اندرا گاندھی اور مسٹر بھٹو دونوں کے تدبر کو دخل ہے، اور مسز اندرا گاندھی کی کشادہ دلی خصوصیت سے لائق تحسین ہے، اگر اسی جذبہ سے کام لیا جائے تو متنازعہ فیہ مسائل کا تصفیہ دشوار نہیں ہے،

یہ مسلّم ہے کہ دونوں ملکوں کی فلاح امن و صلح پر موقوف ہے، دونوں کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ جنگ سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں، پاکستان ہندوستان کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے بہت چھوٹا ملک ہے، تنہا اس میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں، اور دوسروں کے سہارے کا اسکو پورا تجربہ ہو چکا ہے، اسلئے اس کیلئے امن و صلح کے سوا سلامتی کی کوئی راہ نہیں ہے، ہندوستان سے جنگ کرنا اس کیلئے خودکشی ہوگی، ہندوستان اگرچہ پاکستان سے بڑا ملک ہے، لیکن جنگ و باہمی کشمکش اور بے اعتمادی کی فضا میں وہ بھی امن و سکون سے نہیں رہ سکتا، اسلئے اسکے لئے بھی صلح و مفاہمت ہی کی راہ مفید ہے، ہندوستان و پاکستان اگرچہ سیاسی حیثیت سے دو ملک ہو گئے، لیکن جغرافی حیثیت سے ان میں ایسی وحدت ہے کہ دونوں کا استحکام و ترقی ان کے اتحاد و اتفاق ہی پر موقوف ہے، ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ و کشمکش کا خمیازہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی بھگتنا پڑتا ہے، اس لئے ان مصالحت سے ان کو خصوصیت کے ساتھ زیادہ مسرت ہے،

آج کل قوم پرستی، فرقہ پروری اور سیکولرزم کا جا بیجا استعمال اتنا بڑھ گیا ہے کہ اس کا صحیح مفہوم اور فرق سمجھنا مشکل ہے، جہاں کسی اقلیت نے اپنے کسی حق کا مطالبہ کیا، خواہ وہ کتنا ہی جائز اور دستوری کیوں نہ ہو، اس کو

قومیت اور سیکولرزم کا مخالف اور فرقہ پروری کا مجرم قرار دیدیا گیا، اردو زبان کا مسئلہ ہو یا پرسنل لا کے تحفظ کا، یا مسلم یونیورسٹی کا، سب پر فرقہ پروری کا لیبل لگ چکا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثریت کی مرضی کا نام قوم پروری ہے اور اقلیت کے مطالبات کا فرقہ پرستی،

ہندوستان کے جمہوری اور سیکولر دستور نے ملک کے سارے باشندوں کو اس کا شہری اور ملکی حقوق میں برابر کا حصہ دار مانا ہے، اور اقلیتوں کے مذہب، زبان اور کلچر کے تحفظ کی پوری ضمانت دی ہے، اگر کسی سبب سے اس پر عمل میں کوتاہی ہوتی ہے تو اس کا مطالبہ اور اسکے لئے پر امن احتجاج کو فرقہ پروری کس طرح کہا جا سکتا ہے، اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ تو جمہوریت اور سیکولرزم کی جان ہے، اور اس کے لئے کوشش اسکی بہت بڑی خدمت، اور تحفظ وہی معتبر مانا جائیگا جس کا خود اقلیتوں کو اعتراف ہو، ہندوستان میں صحیح معنوں میں سیکولرزم اسی لئے قائم نہیں ہو سکی کہ اقلیتوں کے مسائل کو نظر انداز کیا گیا،

سیکولرزم کا مفہوم یوں تو بہت وسیع ہے لیکن زیر بحث معاملہ میں اس کا تعلق صرف حکومت اور ملکی معاملات سے ہے، سیکولر حکومت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا کوئی مذہب نہیں، اس کی نگاہ میں سارے مذاہب اور ان کے ماننے والے برابر اور ملکی حقوق میں یکساں ہیں، اور وہ مذہب کی بنا پر کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتی، سیکولر نقطۂ نظر کے معنی یہ ہیں کہ ملکی معاملات کو مذہبی نقطۂ نظر کے بجائے ملک کے مصالح اور مفاد کے لحاظ سے دیکھا جائے، اس میں اقلیتوں کے مذہبی، لسانی اور تہذیبی حقوق [illegible] سے نہیں آتے، کیونکہ خود سیکولر دستور نے انکے تحفظ کی ضمانت دی ہے، اسلئے ان کا مطالبہ اور اس کیلئے آئینی احتجاج کسی حیثیت سے بھی سیکولرزم کے خلاف نہیں، ورنہ پھر جمہوریت اور ڈکٹیٹرشپ میں فرق کیا رہ جاتا ہے، قومی وحدت اور سیکولرزم کا دائرہ اتنا وسیع کر دینا کہ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس سے باہر نہ رہ جائے، نہ صحیح ہے، اور نہ ملک کے لئے مفید،

قوم پروری اور سیکولرزم کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ ہندوستان کے سارے باشندے ایک رنگ میں رنگ دیئے جائیں، ایسی وحدت و یکرنگی تو سیکولرزم کے سراسر خلاف ہے، صحیح سیکولرزم کے معنی ہی یہ ہیں کہ ملک کے ہر فرقہ اور ہر طبقہ کو اس کی خصوصیات کے ساتھ زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا موقع دیا جائے، وطنی حیثیت اور مشترک ملکی مفاد کے لحاظ سے بلاشبہ ہندوستان کے سارے باشندے ایک قوم ہیں لیکن مذہبی، تہذیبی اور لسانی حیثیت سے ان میں اتنا اختلاف ہے کہ مسلمان تو مسلمان

سارے ہندوؤں کو بھی ایک قوم کہنا مشکل ہے، چنانچہ خود ہندوستان کے بہت سے مفکرین کا خیال ہو کہ ہندوستان ایک قومی ملک نہیں، بلکہ مختلف قوموں کا مجموعہ ہے، اسلئے ان میں تہذیبی وحدت پیدا کرنیکی کوشش جمہوریت اور سیکولرزم کے بھی خلاف ہے، اور ملکی مفاد کے بھی، ملک کی ہواخواہی اسی میں ہو کہ ان میں تہذیبی وحدت پیدا کرنیکی کوشش نہ کیجائے، بلکہ ہر فرقہ کو اس کی خصوصیات کے ساتھ زندہ رہنے کا موقع دیا جائے،

اس کا اعتراف ہے کہ اس قسم کے معاملات میں حکومت اور اکثریت کے کچھ مسلمان بھی ہمنوا بن جاتے ہیں، مگر ان کی کوئی حیثیت نہیں، یہ جنس ہر زمانہ میں رہی ہے، اور حکومتیں ان کی پرورش کرتی، اور ان سے فائدہ اٹھاتی رہی ہیں، ان کا کام ہی حکومت سے خود فائدہ اٹھانا اور اس کو فائدہ پہنچانا ہے، غیر مذہبی معاملات تو الگ رہے، مذہبی معاملات میں بھی ایسے لوگ حکومت کے اشارے کے پابند ہوتے ہیں، اور قرآن مجید کے صریحی احکام کو بھی قابل ترمیم بلکہ مذہب اسلام کو نام نہاد ترقی کی راہ میں حائل سمجھتے ہیں، یہ لوگ مسلمان کب ہیں، اور ان کو مسلمانوں کی ترجمانی کا کیا حق ہے، لیکن بدقسمتی سے حکومت انہی کو ان کا نمائندہ سمجھتی ہے،

اگر حکومت کا مقصد مسلمانوں پر اپنی مرضی مسلط کرنا نہیں ہے بلکہ وہ واقعی ان کو مطمئن کرنا چاہتی ہے، تو اس کو قوم پروری، فرقہ واریت اور دستوری حقوق کے مطالبہ میں فرق کرنا چاہئے، مسلمانوں پر فرقہ واریت کا الزام لگا کر ان کو خاموش تو کیا جا سکتا ہے، لیکن مطمئن نہیں کیا جا سکتا، مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں ان کے اصلی نمائندے اور ترجمان علماء اور دیندار مسلمان ہیں، اور دوسرے مسائل میں مسلم عوام، اسلئے ان دونوں حالات میں علماء اور مسلم عوام کی رائے معتبر ہے، نام نہاد مسلمانوں کی نہیں، ہندوستان کی حکومت جمہوری ہے، اسمیں فیصلہ جمہور کی رائے سے ہوتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے معاملات میں بھی جمہور مسلمانوں کی رائے اصل رائے سمجھی جائے، اشخاص کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں، مسلمانوں کو مطمئن کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے، لیکن اس کے ساتھ مسلمان کو بھی اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ احتجاج میں کوئی غیر آئینی طریقہ اختیار نہ کریں جس سے حکومت کے لئے دشواری پیدا ہو، بلکہ اپنا مطالبہ جمہوری طریقہ سے پیش کریں،

مقالات

تہذیب کی تشکیل جدید

از

جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۳)

۲- زندگی کی حیثیت

زندگی کی حیثیت

(۱) زندگی کا مالک انسان نہیں بلکہ اللہ ہے،

انّ اللّٰہ اشترٰی من المومنین انفسھم[۱]	بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کی زندگیوں کو خرید لیا ہے،

(ب) زندگی فعل عبث نہیں، بلکہ ایک فرض و امانت ہے۔

افحسبتم انّما خلقنٰکم عبثاً[۲] وانکم الینا لا ترجعون،	کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں نے تم کو بیکار پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے،

(ج) زندگی، خود مختار و آزاد نہیں، بلکہ اس کے لئے قوانین مقرر ہیں،

---

[۱] توبہ - ۱۴ [۲] مومنون - ۶

ایحسب الانسان ان یترک — کیا انسان کا خیال ہے کہ اس کو
سُدیً[1] — یونہی آزاد چھوڑ دیا جائے گا،

فرائض کے دو حصے ہیں

(۳) زندگی کے فرائض

فرائض کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے،
(۱) کائنات سے متعلق اور (۲) انسان سے متعلق،

کائنات سے متعلق فرائض — پہلے حصہ میں مثلاً

(ا) قوت وطاقت اور اختیار کو استعمال کر کے کائنات کی چیزوں کو مفید بنانا،

ولقد مکنّٰکم فی الارض و — ہم نے تمہیں زمین میں قدرت و
جعلنا لکم فیہا معائش[2] — طاقت اور اختیار کے ساتھ بسایا
اور تمہارے لئے اس میں زندگی
کے سامان پیدا کئے،

وقل اعملوا فسیری اللہ — آپ کہہ دیجئے کہ کام کرو، اللہ اور اس کا
عملکم ورسولہ والمومنون[3] — رسول اور مومنین کام کو دیکھیں گے

(ب) ذریعۂ معاش کو اس قدر وسعت دی کہ کوئی محروم نہ رہنے پائے،

وجعلنا لکم فیہا معایش و — اور ہم نے تمہارے لئے معیشت کا
من لستم لہ برازقین[4] — سامان مہیا کر دیا، اور ان کے لئے
بھی جنہیں تم دینے والے نہیں ہو،
والارض وضعہا للانام[5] — اور زمین کو اللہ نے مخلوق کی نفع کے لئے

۱؎ القیامہ ۲ ۲؎ اعراف ع ۱ ۳؎ حجر ۳ ۵؎ رحمٰن ۱،

(ج) جد وجہد اور محنت سے کائنات کی چیزوں کو ترقی دینا،

وان لیس للانسان الا — انسان کو وہی ملتا ہے جس کی
ما سعی[1] — وہ سعی کرتا ہے،
نوفّ الیہم اعمالہم[2] — عمل کے نتائج ہم پورے پورے
دیتے ہیں،

حالات کے لحاظ سے قوت وطاقت کے سامان بدلتے رہتے ہیں، مثلاً اس زمانہ کے فوجی اسلحہ میں بندوق رائفل، مشین گن، میزائل، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں وغیرہ ہیں، اور غیر فوجی اسلحہ میں سائنس ٹیکنالوجی صنعت حرفت تجارت، صحافت، لٹریچر اور تمام علوم وفنون ہیں جن سے جدید تمدنی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے،

فرائض کی ادائگی میں اللہ کی مرکزیت اور اس کی ماتحتی مسلم ہونی چاہئے

کائنات سے متعلق فرائض کی ادائگی، اور ہر جد وعمل میں اللہ کی ذات کی مرکزیت اور اسکی ماتحتی مسلم ہونی چاہئے، ورنہ اُن کے بھیانک نتائج سے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ رہے گی، جس کا مشاہدہ موجودہ مادی تہذیب میں کیا جا سکتا ہے، اسی لئے قرآن حکیم کی جن آیتوں میں نظام کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی، اس پر غور وفکر کی دعوت یا تسخیر کائنات کی خبر دی گئی ہے ان سب میں تقریباً کسی نہ کسی عنوان سے اللہ کا ذکر ضرور آگیا ہے، جس سے اس کی طرف اشارہ ہے، کہ کائناتی جد وجہد میں مرکزی نقطۂ نگاہ اللہ کی ماتحتی ہونی چاہئے اس کے بعد عقل وتجربہ کی رہنمائی کافی ہے، اور مزید ہدایتوں کی ضرورت نہیں،

انسان سے متعلق فرائض — دوسرے حصہ میں مثلاً:-

۱؎ النجم ع ۳ ۲؎ ھود ع ۲،

ہر فرد کو دوسرے سے اس طرح وابستہ سمجھا کہ کسی ایک کا ناحق قتل گویا پوری نوع انسانی کو قتل کرنا اور کسی ایک کو ہلاکت سے بچا لینا گویا تمام نوع انسانی کو بچا لینا ہے قرآن حکیم میں ہے،

من قتل نفسًا	جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کیا
بغیر نفس او فساد فی	تو گویا اُس نے تمام نوع انسان
الارض فکانما قتل الناس	کا خون کیا، اور جس نے کسی کی
جمیعًا ومن احیاھا فکانما	زندگی بچا لی، تو گویا اُس نے نوع
احیا الناس جمیعا،[1]	انسان کو زندگی دیدی،

(۲) ہر فرد کو دوسرے کی نگہداشت کا ذمہ دار سمجھا، یہ نگہداشت جس طرح مادی وجسمانی ہوتی ہے، اسی طرح اخلاقی وروحانی، پھر جس کو جس درجہ کا قرب ہوگا، اسی لحاظ سے ذمہ داری میں تقدم حاصل ہوگا،

مادی وجسمانی فرائض کلام مجید میں مادی وجسمانی فرائض کے بارے میں ارشاد ہے،

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا	اللہ کی عبادت کرو کسی کو اس
بہ شیئا وبالوالدین احسانا	کے ساتھ شریک نہ کرو، ماں باپ
وبذی القربی والیتمی و	کے ساتھ قرابت داروں کے
والمساکین والجار ذی	ساتھ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ
القربی والجار الجنب و	پڑوسیوں کے ساتھ خواہ قرابت
الصاحب بالجنب وابن	والے ہوں یا اجنبی ہوں، پاس

[1] المائدہ ۷ - ع - ۵ -

السّبیل وما ملکت ایمانکم،[1]	کے اٹھنے بیٹھنے والوں کے ساتھ اور
	ان لوگوں کے ساتھ جو مسافر ہوں
	یا تمہارے قبضہ میں ہوں احسان
	اور سلوک کے ساتھ پیش آؤ،

دوسری جگہ ہے،

وآتِ ذا القربی حقہ	قرابتداروں کو اُن کا حق دو،
والمسکین وابن السّبیل	اور مسکین و مسافر کو دو، اور
ولا تبذر تبذیرا،[2]	فضول خرچی نہ کرو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتحتوں کے بارے میں فرمایا،

ھم اخوانکم جعلھم اللہ	وہ تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان
تحت ایدیکم فمن جعل اللہ	کو تمہارے ماتحت کردیا ہے جس
اخاہ تحت یدہ فلیطعمہ	کے ماتحت اللہ اُس کے بھائی کو
مما یاکل ولیلبسہ مما	کرے تو چاہئے کہ جو خود کھائے
یلبس ولا یکلفہ من العمل	وہ اپنے بھائی کو کھلائے، جو
ما یغلبہ فان کلفہ ما	خود پہنے وہ اُس کو پہنائے اور
یغلبہ فلیعنہ علیہ،[3]	اور جو کام اس کی طاقت سے باہر
	ہو اس کے سپرد نہ کرے، اور اگر
	سپرد کرے تو خود اُس کی مدد کرے،

[1] النساء ع - ۶ ، [2] بنی اسرائیل ع - ۳ ، [3] بخاری کتاب الایمان ،

عورتوں کے ساتھ خصوصیت سے حسنِ معاشرت کا حکم ہے،

وعاشروھن بالمعروف
فان کرھتموھن فعسیٰ
ان تکرھوا شیئاً ویجعل
اللہ فیہ خیراً کثیراً[1]

عورتوں کے ساتھ معاشرت میں
حسنِ سلوک کو ملحوظ رکھو، اگر تم
ان کو ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے
تم ایک بات کو ناپسند کرو۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اور اللہ نے تمھارے لئے اس میں
خیر کثیر رکھا ہو،

دوسری جگہ ہے:

لینفق ذو سعۃ من سعتہٖ
ومن قدر علیہ رزقہ
فلینفق مما اٰتٰہ اللہ[2]

وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق
خرچ کرے اور جس کو کم روزی ملی
تو وہ اللہ کے دیے ہوئے کے مطابق
خرچ کرے،

آخری حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاتقوا اللہ فی النساء فانکم
اخذتموھن بامان اللہ[3]

عورتوں کے معاملہ میں تم اللہ سے
ڈرو تم نے ان سے اللہ کے عہد کے
ساتھ معاملہ کیا ہے،

عام انسانوں کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا،

[1] النساء - ع - ۳ [2] الطلاق - ع - ۱ [3] مسلم و مشکوٰۃ باب حجۃ الوداع،

من کان فی حاجۃ اخیہ کان
اللہ فی حاجتہٖ[1]

جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری
کرنے میں لگتا ہے، اللہ اس کی
ضرورت پوری کرنے میں لگتا ہے،

دوسری جگہ ہے:-

لا یؤمن عبد حتی یحب لاخیہ
ما یحب لنفسہٖ[2]

بندہ پورا مومن اس وقت تک نہیں
ہوتا، جب تک اپنے بھائی کے
لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے
پسند کرتا ہے،

اخلاقی وروحانی فرائض

اخلاقی وروحانی فرائض کے بارے میں ہے،

یاایھا الذین اٰمنوا قوا
انفسکم واھلیکم ناراً[3]

اے ایمان والو! اپنے اور اپنے
گھر والوں کو آگ سے بچاؤ،

دوسری جگہ ہے،

وتعاونوا علی البر والتقویٰ[4]

نیکی اور تقویٰ کی چیزوں میں ایک
دوسرے کی مدد کرو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الا کلکم راع وکلکم مسئول
عن رعیتہٖ[5]

غور سے سن لو تم سب نگراں (چرواہا)
ہو، اور سب سے اسکی رعیت کی نگرانی سے
متعلق بازپرس ہوگی،

[1][2] بخاری مسلم مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق الفصل الاول [3] التحریم ع - ۱ [4] المائدہ ع - ۱،
[5] بخاری کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃ،

اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح

اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح ،

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون[۱] — تم کمال نیکی نہیں حاصل کر سکتے ہو، جب تک اپنی محبوب چیز میں اللہ کی راہ میں نہ خرچ کرو،

انصار صحابہ کی سب سے بڑی صفت ایثار و ترجیح بیان کی گئی ہے، جس سے اس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے،

ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة[۲] — وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ اُن کو فاقہ ہو،

دوسروں کی کوتاہیوں اور زیادتیوں کو نظر انداز کرنیکا حکم

دوسروں کی کوتاہیوں اور زیادتیوں سے کے باوجود حسن سلوک کو برقرار رکھنا قرآن حکیم میں ہے،

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یوتوا اولی القربی والمسٰکین والمهٰجرین فی سبیل الله ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر الله لکم والله غفور رحیم[۳] — جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں، وہ قرابت داروں اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں بلکہ ان کو معاف اور درگذر کرتے رہیں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کر دے، اللہ مغفرت والا اور رحم والا ہے ۔

۱؎ آل عمران۔ ۲؎ حشر، ۱ ۳؎ نور۔ ۳

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جھوٹی تہمت لگائی جس میں حضرت ابوبکرؓ کے بعض رشتہ دار بھی ملوث تھے، جن کی وہ مدد اور کفالت کرتے تھے، حضرت صدیقہؓ کی برأت ثابت ہونے کے بعد طبعی طور پر حضرت ابوبکرؓ کو احساس ہوا، انھوں نے ان عزیز کی امداد نہ کرنے کی قسم کھائی، اُن کو دیکھ کر بعض دوسرے صحابہ نے بھی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ دوسروں کا رویہ اپنی جگہ ہے، لیکن تم اس سے اپنا رویہ متاثر نہ ہونے دو، بلکہ صرف اللہ سے رضاجوئی اور صلہ کی امید رکھو،

معاشرتی نظم برقرار رکھنے کے لئے چند چیزوں کی ضرورت ہے،

معاشرتی نظم کو برقرار رکھنے کے لئے بالعموم درج ذیل چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے،

۱- عزو شرف کا ایسا معیار ہو، جو سب میں مشترک اور سب کے لئے مساوی ہو،

۲- حسب و نسب رنگ و نسل اور قوم و وطن کے بتوں کا خاتمہ

۳- میل جول و ملاقات میں عملاً مساوات،

تشکیل جدید میں ان چیزوں کی طرف جس قدر توجہ دی گئی ہے اس کا اندازہ ذیل کی تفصیلات سے ہوگا،

عزت و شرف کا صحیح معیار

۱- عزت و شرف کے لئے حسب و نسب اور دولت و وجاہت کے بجائے اخلاق و کردار کا معیار مقرر کیا گیا، جو اختیاری ہونے کے ساتھ سب کے لئے قابل قبول ہے، قرآن حکیم میں ہے،

ان اکرمکم عند الله اتقاکم[۱] — اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے،

۱؎ الحجرات ع-۲،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لیس لاحدٍ علی احد فضل الا بالدین والتقوی،[۱]

کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت صرف دین اور تقوی کی بنا پر ہوتی ہے،

حسب نسب وغیرہ کا خاتمہ

(۲) حسب ونسب وغیرہ کے بتوں کا خاتمہ حد درجہ مشکل کام ہے چنانچہ ہر دور میں مختلف تدبیروں کے باوجود اس میں ناکامی ہوئی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو وبیرونی زندگی میں ایسی تدبیریں اختیار کیں جن سے ادنی واعلی دونوں محسوس کرنے لگے کہ خود ساختہ بلندیوں اور پستیوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی، اس کے لئے پہلے ذہنی وفکری اصلاح کی گئی، پھر ان اضافتوں کے بے اثر ہونے کا اعلان کیا گیا،

قرآن حکیم میں ہے

وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا،[۲]

اور ہم نے تمہاری ذاتیں اور قبیلے محض اس لئے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی پہچان ہو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لا فضل لعربی علی عجمی ولا عجمی علی عربی،[۳]

کسی عربی کو عجمی (غیر عربی) پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں ہے،

رنگ اور زبان کے بارے میں ہے،

ومن آیٰتہ خلق السمٰوٰت و

اور اللہ کی نشانیوں میں زمین و

---

[۱] مشکوٰۃ فی شعب الایمان [۲] الحجرات ع ۲-۰،

الارض واختلاف السنتکم والوانکم،[۱]

آسمان کی پیدائش اور زبان ورنگ کا اختلاف ہے،

مذکورہ امتیازات شادی بیاہ میں زیادہ نمایاں ہوتے، اور اپنے اندر مختلف قسم کی نزاکتیں اور پیچیدگیاں رکھتے ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے سب سے پہلے اپنے گھر میں ان بتوں کو توڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی کا نکاح ایک آزاد غلام زید رضی بن حارثہ سے کیا اور حضرت عمر رضی نے اپنے بیٹے "عاصم" کا نکاح ایک دودھ فروش کی بیوہ لڑکی سے کیا، دونوں واقعات مشہور ہیں، گھر کی اصلاح کے بعد حضرت عمر رضی نے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کا حکم دیا، جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوگا، موالی (آزاد شدہ غلاموں) میں سے ایک مالدار شخص نے قریشی کی بہن کا پیغام بھیجا، قریشی نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ

ان لنا حسبا انہ لیس لھا بکفو،

ہم حسب نسب والے ہیں، وہ لڑکی کا کفو نہیں ہے،

اس کی اطلاع حضرت عمر رضی کو پہنچی، تو آپ نے قریشی کو بلا کر کہا کہ وہ شخص مالدار بھی ہے اور پرہیزگار (متقی) بھی، اگر بہن راضی ہے تو اس کا نکاح کر دو، بھائی نے بہن سے پوچھا تو وہ راضی ہوگئی، اور نکاح کر دیا گیا،[۲]

فقہاء نے "کفو" پر طویل بحث کی ہے، جس کی موجودہ دور میں قطعاً ضرورت نہیں ہے، یہ بحث حالات کے ساتھ سمجھوتہ کا نتیجہ ہے، کوئی شرعی فیصلہ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کے بعد یہ مسئلہ پیدا ہوا، اور فقہاء کے درمیان اس میں کافی اختلاف ہوا،

---

[۲] ازالۃ الخفاء، مقصد دوم سیاست فاروق اعظم رض،

کفاءت میں حریت، نسب، پیشہ، مال، عمر اور دین (اخلاق و کردار) کا اعتبار کیا جاتا ہے، لیکن دین کے علاوہ حالات کے لحاظ سے سب میں اختلاف ہے، دین پر اتفاق اور سب میں اختلاف خود اس کی دلیل ہے، کہ شرعی حیثیت صرف دین کو حاصل ہے، اور بقیہ کی حیثیت محض ازدواجی زندگی خوشگوار بنانے کی ہے، اس زمانہ میں کفاءت میں مذکورہ چیزوں کے اعتبار سے ازدواجی زندگی مختل ہوتی، اور اسلامی زندگی پر حرف آتا ہے، اس لئے تشکیل جدید میں عہد نبوی کے مطابق دین کے ساتھ معاشرتی حیثیت (sTaTus) کا لحاظ کافی ہوگا اور اس میں تعلیم و معاش کو حالات کے لحاظ سے زیادہ اہمیت ہوگی، اس سے ازدواجی زندگی خوشگوار بنانے میں مدد ملتی ہے،

میل جول اور آپس میں مساوات

(۳) میل جول اور ملاقات میں مساوات پر عمل درآمد کا اندازہ ان واقعات سے ہوگا، کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے سرداروں سے اسلام پر گفتگو فرما رہے تھے، اتنے میں ایک شکستہ حال نابینا صحابی (ابن ام مکتوم) تشریف لائے اور انھوں نے کچھ معلوم کرنا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مداخلت ناگوار ہوئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

عبس و تولّٰی ان جاءہ الاعمٰی
وما یدریک لعلہ یزکّی او یذکّر
فتنفعہ الذکرٰی اما من
استغنٰی فانت لہ تصدّٰی
وما علیک الا یزکّی واما
من جاءک یسعٰی وھو یخشٰی فانت

آپ چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا،
اس بات سے کہ آپ کے پاس نابینا
آیا، آپ کو کیا معلوم کہ وہ اپنی درستی
کر لیتا یا غور و فکر کرتا، اور آپ کو اس
کا سمجھانا نفع دیتا، جو پرواہ نہیں کرتا
اس کے پیچھے پڑتے ہیں، حالانکہ اس کے

عنہ تلھّٰی[۱]

درست نہ ہونے کا الزام آپ پر نہیں ہے
اور جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے، اور
ڈرتا ہے، اس سے آپ اعراض کرتے ہیں

مساوات کے لئے امتیاز کو مٹانا

معاشرہ میں جب معمولی فساد ہو تو اصلاح کی معمولی تدبیروں سے کام چل جاتا ہے لیکن جب یہ فساد قوم کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے، تو اعتدال پیدا کرنے کے لئے سخت اقدامات اور عملاً پست کو بلند اور بلند کو پست کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس سہیل بن عمرو، حارث بن ہشام، ابوسفیان بن حرب اور قریش کے دوسرے رؤسا، حاضر ہوئے، اسی وقت صہیب بلالؓ اور دوسرے آزاد شدہ غلام بھی آگئے، حضرت عمرؓ نے ملاقات میں ان غلاموں کو سرداران قریش پر ترجیح دی، اس پر ابوسفیان نے کہا،

لم ار کالیوم قط یاذن لھولاء
العبید ویترکنا علی بابہ لا
یلتفت الینا،

ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا، ان غلاموں
کو اجازت ملتی ہے، اور ہم دروازے پر
کھڑے رہتے ہیں، ہماری طرف کوئی
توجہ نہیں ہوتی،

سہیل زیادہ سمجھدار تھے، انھوں نے کہا یہ سچ ہے لیکن ہم کو عمر کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہئے، اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا، ان میں سے جو اپنی شامت سے پیچھے رہ گئے، وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں،[۲]

معاشرتی نظم میں خلل ڈالنے والی چیزوں سے تزکیہ

معاشرتی نظم میں جو چیزیں رخنہ ڈالنے والی

---

[۱] عبس ع ۱- [۲] اسد الغابہ ج ۲ تذکرہ سہیل بن عمرو،

تھیں، ان سے تزکیۂ نفس کا حکم دیا گیا، تزکیہ کے معنی کسی کو اس حد تک صاف ستھرا بنانا کہ وہ نشو و نما کے قابل بن سکے، مثلاً زمین کا تزکیہ گھاس پوس صاف کرنا، اس کو برابر کرنا، کھاد ڈالنا، اور آبپاشی کر کے اس قابل بنانا کہ وہ تخم کو نشو و نما دے سکے، اسی طرح نفس کا تزکیہ فکری و عملی خرابیوں کو دور کر کے انسان کو اس قابل بنانا کہ وہ اپنی فطرت کے مطابق نشو و نما پا سکے، تزکیہ کی مشابہت بڑی حد تک علم طب سے ہے، جس طرح طب کا تعلق جسم کی بیماریوں اور اُن کے علاج سے ہے، اسی طرح تزکیہ کا تعلق روح کی بیماریوں اور اُن کے علاج سے ہے اس کی ضرورت زندگی کے تمام شعبوں میں ہوتی ہے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم مقصد تزکیہ قرار دیا گیا، اور قرآن حکیم کی کئی آیتوں میں تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ ویزکیکمْ یا ویزکیھم کا ذکر کیا گیا ہے، اس موقع پر صرف ان چیزوں کا بیان کرنا مقصود ہے جو معاشرتی تعلقات میں رخنہ ڈالنے والی ہیں اور تشکیل میں ان سے صفائی و ستھرائی کا حکم دیا گیا ہے، وہ یہ ہیں مثلاً

مذاق اڑانا طعن وتشنیع کرنا اور غیبت وغیرہ کی ممانعت

کسی کا مذاق اڑانا، طعن و تشنیع کرنا، برے خطاب سے مخاطب کرنا، بدگمانی، عیب جوئی اور غیبت کرنا، دوسرے کے بھید تلاش کرنا وغیرہ،

یا ایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم	اے ایمان والو! کوئی کسی کا مذاق
من قوم عسیٰ ان یکونوا	نہ اڑائے، ممکن ہے جن مردوں کا مذاق
خیراً منھم ولا نساء من	اُڑایا جاتا ہو، وہ ان سے بہتر ہوں
نساء عسیٰ ان یکن	اسی طرح جن عورتوں کا مذاق اڑایا
خیراً منھن ولا تلمزوا	جاتا ہو، وہ ان سے بہتر ہوں ایک
انفسکم ولا تنابزوا	دوسرے پر طعن و تشنیع نہ کرو، اور

بالالقاب[1]،	اور کسی کو برے القاب سے نہ پکارو،

دوسری جگہ ہے،

یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں
من الظن ان بعض الظن اثم ولا	سے بچو بعض گمان گناہ ہوتے ہیں!
تجسسوا ولا یغتب بعضکم	کسی کا عیب نہ تلاش کرو، ایک
بعضاً ایحب احدکم ان	دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں
یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ	کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے
واتقوا اللہ[2]،	مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے
	اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ
	سے ڈرتے رہو،

کسی کی ذلت پر خوشی کے اظہار اور عار دلانے اور چغلی کھانے کی ممانعت

کسی کی ذلت و حقارت پر خوشی ظاہر کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لا تظھر الشماتۃ لاخیک	اپنے بھائی کی ذلت و حقارت پر
فیرحمہ اللہ ویبتلیک[3]	خوشی نہ ظاہر کرو، (ورنہ) اس پر
	اللہ رحم کرے گا، اور تم کو اس میں
	مبتلا کر دے گا،

گناہ پر عار دلانا:-

من عیّر اخاہ من ذنب	جس شخص نے کسی کو توبہ کئے ہوئے

---

[1] و [2] حجرات (ع ۲-) [3] ترمذی و مشکوٰۃ باب حفظ اللسان، الفصل الثانی

لم یمت حتی یعملہ یعنی من ذنبٍ تاب منہ[1] — گناہ پر عار دلائی تو موت آنے سے پہلے اس میں مبتلا ہوگا،

بہ چغلی کھانا:-

مشاء بنمیم[2] — اس کا کہنا نا تو جا دھر اُدھر چغلی لگاتا پھرتا ہے،

حدیث شریف میں ہے:-

المشاءون بالنمیمۃ المفسدون بین الاحبۃ[3] — جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں وہ دوستوں کے درمیان فساد پھیلاتے ہیں،

عہد توڑنے دورُخی پالیسی اختیار کرنے اور قطع رحم کی ممانعت

عہد و پیمان کرکے توڑنا،

ان العہد کان مسئولاً[4] — بیشک عہد کی بازپرس ہوگی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد توڑنے کو منافق کی نشانیوں میں قرار دیا ہے،

واذا وعد اخلف[5] — جب وہ وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے،

دورُخی پالیسی اختیار کرنا،

تجدون شر الناس یوم القیامۃ ذا الوجہین الذی — قیامت کے دن دو رُخا بدترین شخص ہوگا، کچھ لوگوں کے پاس ایک رُخ

۱؎ ترمذی و مشکوٰۃ باب حفظ اللسان ۲؎ الفصل الثانی، ۲؎ قلم ۱۔ ۳؎ مسند احمد جلد ص ۵۹ ۴؎ بنی اسرائیل ۴؎ ۵؎ بخاری و مسلم،

یاتی ھؤلاء بوجہ وھؤلاء بوجہ[1] — سے جاتا ہے، اور دوسرے کے پاس دوسرے رُخ سے،

دوسری جگہ ہے،

من کان ذا وجہین فی الدنیا کان لہ یوم القیامۃ لسانان من نار[2] — جو دنیا میں دورُخا ہوگا، قیامت کے دن اس کی زبان آگ کی ہوگی

قطع رحمی کرنا:-

قرآن حکیم نے قطع رحمی کرنے والوں کو فاسق قرار دیا ہے،

الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض[3] — فاسق وہ ہیں جو اللہ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں، اور اللہ نے جس کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اس کو توڑتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں،

فخر و غرور کرنے، حسد کرنے، اور بہتان لگانے کی ممانعت

فخر و غرور کا سب سے پہلے ظہور شیطان سے ہوا، جب اس نے آدم کے مقابلہ میں کہا،

انا خیر منہ[4] — میں آدم سے بہتر ہوں،

اس سے دل پر مہر لگ جاتی ہے،

کذلک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار[5] — اسی طرح اللہ مغرور اور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے،

۱؎ بخاری کتاب الادب، ۲؎ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی ذی الوجہین، ۳؎ البقرہ ع ۳، ۴؎ الاعراف ع ۲۔ ۵؎ المومن ۴۔

اللہ کی محبت سے محرومی ہوتی ہے،

ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً[1]

بیشک اللہ اس سے محبت نہیں کرتا جو مغرور اور فخر کرنے والا ہو،

اخلاق کے دروازے بند کرتا ہے جو جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر غرور ہوگا (اس کا خاصہ ہے کہ) وہ جنت میں نہ داخل ہوگا"[2]

حسد بداخلاقیوں کا سرچشمہ اور نہایت خطرناک چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر مسلمان کو اس سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی ہے،

ومن شر حاسد اذا حسد

پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب[3]

تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے،

بہتان لگانا (کسی کی طرف ایسی برائی منسوب کرنا جو اس میں نہ پائی جاتی ہو، اور اگر برائی پائی جاتی ہو تو وہ غیبت ہے)

[1] نساء ع-۶ [2] ابوداؤد کتاب اللباس باب ما جاء فی الکبر، [3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحسد،

قرآن حکیم میں ہے،

ومن یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل بہتانا واثما مبینا[1]

جو شخص خود کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر دھرے تو اس نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر پر لیا،

دوسری جگہ ہے:-

والذین یؤذون المومنین والمومنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا واثما مبینا[2]

جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو بغیر کئے (تہمت لگا کر) تکلیف پہنچاتے ہیں، انھوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا،

غصہ کرنا، بغض و کینہ رکھنا، اور فحش کلامی کرنا

غصہ کرنا قرآن حکیم نے غصہ پی جانے والوں کو متقیوں میں شمار کیا ہے

والکاظمین الغیظ[3]

وہ لوگ غصہ کو پی جانے والے ہیں

دوسری جگہ ہے،

واذا ما غضبوا ھم یغفرون[4]

اور جب ان پر غصہ آتا ہے، تو معاف کر دیتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"پہلوان وہ نہیں ہے، جو دوسرے کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ ہے جو غصہ میں

[1] نساء ع-۱۶ [2] احزاب ع-۷، [3] آل عمران ع-۱۴ [4] شوریٰ -۴،

اپنے کو قابو میں رکھے"[۱]

دوسری جگہ ہے،

"غصہ شیطان سے ہے، اور شیطان آگ سے بنا ہے، اور آگ کو پانی ٹھنڈا کرتا ہے اس لئے جب کو غصہ آجائے اس کو وضو کر لینا چاہئے"[۲]

بغض و کینہ رکھنا (کسی کی دشمنی و ضرر رسانی کے جذبہ کو دل میں رکھنا) یہ حق العباد کی ادائگی میں اسی طرح رکاوٹ ڈالتا ہے، جس طرح شرک حق اللہ کی ادائگی میں رکاوٹ ڈالتا ہے، اس سے برأت کے لئے دعا مانگنے کا حکم ہے،

ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا،[۳]
اے پروردگار! ہمارے دلوں میں ایمان والوں کا کینہ مت رکھیو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا اخوانا،[۴]
آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، اور بھائی بنکر رہو،

خود بینی و نمائش۔

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرا ورئاء الناس،[۵]
ان لوگوں کی طرح مت ہو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھانے نکلے،

دوسری جگہ ہے،

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب الحذر من الغضب [۲] ابوداؤد کتاب الادب باب من کتم غیظا،
[۳] حشر ع ۱، [۴] بخاری و مسلم وغیرہ [۵] الانفال، ع ۶

وکم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا،[۱]
اور ہم نے بہت سی بستیاں ہلاک کر دیں جب وہ اپنی معیشت پر اترانے لگیں،

ایک اور جگہ ہے،

تذکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی،[۲]
تم اپنی پاکیزگی نہ جتایا کرو، پرہیزگاروں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے،

فحش گوئی خواہ شہوانی قوت سے ہو، یا غضبی قوت سے، دونوں کی سختی کے ساتھ ممانعت ہے،

فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج،[۳]
حج کے دنوں میں نہ شہوت کی کوئی بات کرنی چاہئے نہ فسق و فجور کی اور نہ جھگڑے کی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر،[۴]
مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق اور مسلمان سمجھ کر اس کو قتل کرنا کفر ہے،

دوسری جگہ ہے،

لیس المومن بالطعان و
مومن لعن طعن نہیں کرتا، بدزبانی

---

[۱] قصص ع ۶، [۲] النجم ع ۱۲، [۳] بقرہ ع ۲۵،
[۴] بخاری کتاب الادب،

ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی[۱]　نہ فحش کلامی نہیں کرتا ہے،

ان کے علاوہ جس قسم کے طرز گفتگو اور طرز عمل سے بھی معاشرتی زندگی میں خلل واقع ہوتا ہے، ان سب سے سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے،

کھانے پینے لباس اور وضع قطع کے چند احکام

تشکیل جدید میں معاشرتی نظم کا یہاں تک لحاظ کیا گیا ہے کہ کھانے پینے، لباس اور وضع قطع کے بھی احکام و آداب مقرر کر دیئے گئے ہیں تاکہ ان راہوں سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا سد باب ہو سکے، کھانے پینے کے بارے میں ہے،

۱- کھانا سیدھے ہاتھ سے کھایا جائے،

۲- کھانا کھاتے وقت ادب و احترام ملحوظ رہے،

۳- کھانا بیٹھ کر کھانا چاہئے، کھڑے ہو کر کھانا، یا اونچی جگہ پر بیٹھ کر، اور کھانا نیچے رکھ کر کھانا، اسلامی معاشرت کے خلاف ہے،

۴- اتنا کھائے کہ بدہضمی نہ ہو،

۵- حرام اور مشتبہ چیز نہ کھانا چاہئے،

اسی طرح لباس اور وضع قطع کے بارے میں ہے کہ

۱- کسی قوم کی پیروی یا ان کی مشابہت نہ ہو،

۲- مغرور و متکبر یا غیر ثقہ لوگوں کی وضع قطع نہ ہو،

۳- مردوں کے لئے ریشمی لباس حرام ہے،

---

[۱] ترمذی ابواب البر والصلۃ

۴- ایسا لباس نہ ہو جس سے ستر کی حفاظت نہ ہو سکے، یا شہوت برانگیختہ ہونے کا اندیشہ ہو،

۵- عورتوں کو خصوصیت سے لباس اور وضع قطع میں احتیاط کا حکم ہے،

فضول خرچی اور دکھاوے کی ممانعت

خرچ و اخراجات کے ہر معاملہ میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے،

۱- محل اور مقدار کسی لحاظ سے فضول خرچی نہ ہو،

۲- خرچ کرنے میں دکھاوا، نمائش یا غریبوں پر اپنی امارت و سیادت کا سکہ جمانا نہ ہو،

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے کتابوں میں مکمل بحث موجود ہے،

قرونِ وسطیٰ کی تاریخ

اور

مورخین کا ایک تنقیدی جائزہ

از

جناب الطاف حسین خاں شروانی، اسلامیہ کالج اٹاوہ

عہد گذشتہ کے مورخین پر ایک ناقدانہ نظر

ہندی قرونِ وسطیٰ کے مورخین نے اپنے عہد اور اس سے پہلے کی جو تاریخیں مرتب کی ہیں، ان میں قطع نظر دوسری کمزوریوں کے جن کا تذکرہ ہم آگے چل کر کریں گے، فاتح کی زبان استعمال کی ہے، مورخ بن کر واقعات نہیں لکھے، اگر مسلمان فوجوں اور دیسی راجاؤں سے جنگ کا ذکر آگیا ہے تو زیب داستان کے لئے ہندوؤں کا قتل عام اور مندروں کی عام تباہی شامل کردی ہے، بادشاہوں کا تذکرہ آگیا ہے تو ان کی شخصیت القاب و آداب میں گم ہوگئی ہے، اگر درباری ماحول کی نقش آرائی کی ہے، تو حقیقت کم اور مبالغہ آمیزی زیادہ ہے، سماجی حالات کے تذکرے کے لئے مورخین کو موقع ہی نہیں ملا، کسی کی مدح سرائی کی ہے تو کسی کے خلاف جھوٹے افسانے گھڑے ہیں، غرض ساری داستانیں شاہی محلوں اور میدانِ جنگ تک محدود ملتی ہیں[1] حقیقت یہ ہے کہ ہندی قرونِ وسطیٰ کے مورخین نے تاریخ کو "تاریخ" سمجھ کر نہیں لکھا، بلکہ اپنے

---

[1] الفاروق جلد اول، ص ۹-۱۰،

ماحول اور گذرے ہوئے عہد کا تقاضا پورا کیا ہے جو آج ہمارے لئے نہ صرف ناکافی بلکہ خطرناک بھی ہے[1]، ڈاکٹر سید محمود نے مرحوم نے صحیح فرمایا ہے،

مسلمان مورخوں نے مسلمانوں کے دورِ حکومت میں جو تاریخیں لکھی ہیں ان میں انکی فتح و کامرانی کا غرور اور غلبہ چھایا ہوا نظر آتا ہے اور انھوں نے واقعات قلمبند کرنے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا اور جس طرح ایرانی اہل قلم کے شعر و ادب میں غیر معمولی مبالغہ آرائی نظر آتی ہے اسی طرح جو تاریخیں ایرانی طرز پر لکھی گئیں انمیں بھی مبالغے نظر آتے ہیں مثلاً دو چار ہندو مشرف با سلام ہوئے تو یہ مورخین لکھتے ہیں کہ تمام علاقے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اسی طرح مندروں کے انہدام کے اکّا دکّا واقعہ کو اسطرح پیش کرتے ہیں جس کے پڑھنے کے بعد یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہندوستان کے مندر بالکل منہدم کر دئے گئے تھے، انگریزوں نے مسلمان مورخوں کی اس مبالغہ آرائی سے پورا فائدہ اٹھا کر اس دورِ حکومت کی جو تاریخیں قلمبند کیں انمیں ہندوؤں کے اشتعال کو بڑھانے کیلئے پورا مواد فراہم کر دیا[2]

ان مورخین پر ایک نظر ڈالی جائے تو سلاطین دہلی کے دور میں ضیاء الدین برنی، منہاج سراج، شمس سراج عفیف، فخر مدبر اور یحییٰ بن احمد سرہندی وغیرہ دکن کے مورخین میں محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ، رفیع الدین شیرازی

---

[1] "مقالہ" وسطی ہندوستان کی تاریخ نویسی میں فرقہ واریت" مصنفہ ہربنس مکھیا مترجمہ امیر اللہ شاہین، عصری ادب، دہلی، جولائی ۱۹۷۰ء

[2] "پیش لفظ" ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام دار المصنفین ۱۹۶۰ء ص ۱۶-۱۷

علی بن عزیز اللہ طباطبائی، محمد ابراہیم زبیری، ملا موبد شیرازی اور ملا نظام الدین احمد شیرازی وغیرہ اور دور مغلیہ میں ابوالفضل علامی، نظام الدین بخشی، ملا عبدالقادر بدایونی ملا شریف معتمد خاں، مرزا کامگار حسینی، عبدالحمید لاہوری، محمد صالح کنبوہ، مرزا محمد طاہر آشنا، عاقل خاں رازی، مرزا مبارک واضح اور خافی خاں وغیرہم نے اسلامی ہندوستان کے مختلف ادوار پر تاریخیں لکھی ہیں ان میں بادشاہوں کی زندگی کے واقعات، درباری ماحول کی نقش آرائی، فتوحات کے حالات، جنگوں کی ہماہمی اور سیاسی کشمکش کے علاوہ عوامی زندگی کا ایک بھی گوشہ روشن نہیں ہوتا، علم وفن، معاشرت، تمدن، اقتصادی حالت تعمیر وغیرہ کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہوتے ہیں، حقیقت میں ان تاریخی کتابوں کو فتح نامے کہنا زیادہ مناسب ہوگا بیسویں صدی کے مورخین ان تاریخوں کے متعلق بڑی سخت رائے رکھتے ہیں،

مولانا شبلی لکھتے ہیں،

"ایشیائی مورخین کی عادت ہے کہ وہ واقعات میں صرف جنگ وجدل، بغاوت اور خونریزی کے واقعات کو لیتے ہیں اور ان کو خوب پھیلاتے ہیں اس لئے یورپ والے ہماری تاریخوں کو قصائی کی دوکان کہتے ہیں اور واقعی ان تاریخوں سے اس عہد کے تمدن، شائستگی، پالٹکس، معاشرت، خانگی زندگی کا پتہ لگانا چاہیں تو بہت کم کامیابی ہوتی ہے[1]"

مولانا سید عبدالحئی فرماتے ہیں،

"ملک کی بدمذاقی دیکھئے کہ ابتدا سے ابتک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ

[1] مقالات شبلی جلد چہارم ص ۵۹

نویسی کے صحیح معیار پر نہیں اترتی جس کتاب کو اٹھا کر دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ رزم بزم کا کوئی افسانہ ہے قرنا وکوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ ورباب کے ذکر سے اس کو آپ خالی نہ پائیں گے،[1]"

مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک موقع پر فرمایا ہے،

"آجکل قوموں کی تاریخ کی نقش آرائی میں خون ہی کا رنگ درکار نہیں بلکہ اس زمانے کے تمدن، اقتصاد، تعمیر، معاشرت، علم وفن اور طریق جنگ وغیرہ کے ایسے معلومات کی ضرورت پڑتی ہے جس سے قوموں کی پوری تصویر کھڑی ہو جائے لیکن اس زمانہ کے پرانے مورخوں نے اپنے مذاق کے مطابق اپنی تاریخیں لکھیں اس لئے جو مسائل انکے نقطہ نظر سے اہم تھے وہ ہمارے لئے غیر اہم ہیں اور جن مسائل کو ہم ضروری سمجھتے تھے انکو انھوں نے غیر ضروری سمجھ کر یا تو نظر انداز کردیا یا بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھا ہے،[2]"

ہندوستانی مورخین نے معاشرہ کے سماجی حالات لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی حالانکہ البیرونی اپنی تصانیف کے ذریعہ مورخین کی نظریں وسیع کر چکا تھا۔ ابوالفضل بیہقی اور ابن خلدون تاریخ کے فن کو اتنی ترقی دے چکے تھے کہ موجودہ دور کے مورخین بھی اسپر کوئی قابل لحاظ اضافہ نہ کر سکے، ایشیا، شمالی افریقہ اور اسپین وغیرہ عربی مورخین پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی بڑی تعداد تاریخیں لکھنے میں مصروف نظر آتی ہے جسکا سلسلہ ساتویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی تک قائم رہا،[3]

[1] یاد ایام ص ۵۸، [2] معارف، اپریل ۱۹۴۵ء

[3] تفصیل کیلئے دیکھئے؛ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات" عبدالرحمٰن خاں دہلی ۱۹۵۰ء جلد اول دوم،

یوروپ کے مورخین بھی کارل مارکس سے پہلے اپنی تاریخوں میں حکمرانوں، فوجی سرداروں، اور وزیروں کے حالات اور کارنامے سپرد قلم کیا کرتے تھے[1]، ہندوستان میں قرون وسطیٰ سے پہلے تاریخ نام کا کوئی فن ہی نظر نہیں آتا اگر کچھ ملتا بھی ہے تو کتھاؤں کی شکل میں اپنے ہیرو کی پرستش نظر آتی ہے[2]، ہزاری پرشاد دویدی مصنف سنگھ شیت پرتھوی راج راسو لکھتے ہیں،

فی الواقع اس دیس میں تاریخ کو موجودہ معنی میں کبھی نہیں لیا گیا، تاریخی شخصیات کو تخیل کا پیکر بنا دینا ہمارا شیوہ رہا ہے بعض میں الوہیت کی خصوصیات شامل کر کے درا والوہ اربنا دیا گیا جیسے رام، بدھ، کرشن اور بعض کو بڑی ہی رنگین ورومان پرور بنا کر کتھاؤں کا ہیرو بنا دیا گیا ہے جیسے آدین بکرما دیت اور بعال[3]،

ابتدائی مسلمان مورخین کو ہندوستان میں ان ہی حالات کا سامنا ہوا، ان کو اس ملک میں علم تاریخ کا کوئی ایسا نمونہ دستیاب نہیں ہو سکا جن کی تقلید کرتے اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جن کی بنا پر علم تاریخ ہندوستان میں اپنا صحیح مقام حاصل نہ کر سکا اور ہم شدید غلط فہمیوں کے شکار ہوتے رہے یہ اسباب حسب ذیل ہیں:

(۱) دہلی سلطنت کی بنیاد رکھتے وقت مسلمانوں کا علمی انحطاط شروع ہو چکا تھا[4]،

---

[1] خطبہ صدارت پروفیسر ہمایوں کبیر مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۶۴ء، معارف جنوری، سنہ ۱۹۶۲ء، [2] دیکھئے: ہندوؤں کی تاریخ نویسی، مصنفہ اکبر شاہ خان عبرت (نجیب آباد) جون سنہ ۱۹۱۶ء، [3] معارف اپریل سنہ ۱۹۶۸ء، [4] ابتدائی سلاطین دہلی کے جاہ و جلال کو پیش کرنے کے لئے مغلوں کی طرح کوئی ابوالفضل (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳ پر)

(۲) ابتدائی ہندو علماء مسلمان مورخین کی کوئی مدد نہ کر سکے،

(۳) ہندی قرون وسطیٰ کے درباری نظام نے تاریخ کو شدید نقصان پہونچایا،

(۴) مورخین اور بادشاہوں کے تعلقات تاریخ نویسی پر اثر انداز ہوئے،

(۵) مسلمان مورخین نے محض اسلئے کہ انکے ہمعصر حکمرانوں کی شہرت دوسرے اسلامی ملکوں میں بحیثیت مجاہد اسلام ہو، ہندوؤں کے خلاف جوش وخروش کا اظہار کرنا اپنا شیوہ بنا لیا،

(۶) غیر ملکی مسلمان مورخین نے ہندی نژاد مسلم عوام کے جذبات کا صحیح تصور قائم نہیں کیا اور انکے خلاف غلط رویہ اختیار کیا، اس عہد کے فارسی مآخذوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے[1]،

(صفحہ ۳۲ کا بقیہ حاشیہ) نظام الدین بخشی اور عبدالحمید لاہوری پیدا نہ ہوا جس کی وجہ سے سیکڑوں سال کی تاریخ موجودہ مورخین کے لئے ایک معمہ بن گئی اگر صوفیائے کرام اور شعرائے عظام کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو شاید آج ہم اندھوں کی طرح ہاتھ پیر چلاتے،

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے Religious Bias in Modern Indian History writing by Dr. M. Yaseen. Kashmir University Radiance No. 15, 1970.

نیز دیکھئے اسی مصنف کا اردو مقالہ "ہندوستان کے قرون وسطیٰ کی تاریخ"
الجمعیت (ہفت روزہ) دہلی،
۵ جون سنہ ۱۹۷۰ء

ہندی قرون وسطیٰ کی تاریخ اور انگریز مورخین

سلاطین دہلی اور مغلیہ عہد کے مورخین نے جو بھی کچھ لکھا ہے اس میں اپنے عہد کے ماحول سے چشم پوشی عوام کے حالات سے گریز اور بادشاہوں کی مدح سرائی اور اس قبیل کی دوسری خامیاں نظر آرہی ہیں، لیکن حقیقت میں ہماری تاریخ کو انگریز مورخین نے نہ صرف نقصان پہونچایا ہے بلکہ خطرناک بنا دیا ہے۔[1]

۱۸۵۷ء میں جب ہندو مسلمان عوام اور ملک کے کمزور حکمرانوں نے برطانوی استبداد کے خلاف آزادی کی جنگ کی تو انگریز مدبروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر ہندوستانی عوام مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے سے دست وگریباں نہ ہوئے تو ان کی حکومت زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے گی چنانچہ اسی کو بنیاد بنا کر، انگریز مورخوں، سیاست دانوں اور عالموں (مستشرقین) نے ایک منصوبہ کے مطابق اپنا کام شروع کر دیا۔[2]

پروفیسر خلیق احمد نظامی رقمطراز ہیں:-

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد انگریزوں نے ہندوں اور مسلمانوں کے تعلقات خراب کرانے کے لئے منظم کوششیں شروع کر دیں، سیاست، سماج زبان اور ادب کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوٹا جہاں یہ زہر نہ پھیلایا گیا ہو، سرہنری ایلیٹ نے (جسکی تاریخ ہند کی آٹھ جلدیں گذشتہ پچھتر سال سے ہماری ساری چھوٹی بڑی تاریخوں کا ماخذ رہی ہیں) حکومت کو لکھا کہ اگر اس کی مرتب

[1] امیر خسرو اور ہندوستان، ڈاکٹر تاراچند، ص ۶۰۵

[2] نیشنل آرکائیوز دہلی میں ۱۸۵۸ء کا لکھا ہوا ایک خط محفوظ ہے جس سے اس منصوبے کی تصدیق ہوتی۔

کی ہوئی تاریخ ہند شائع کر دی گئی تو ہندوستان میں ساری قومی تحریکیں خود بخود سرد پڑ جائیں گی چنانچہ ہندو مسلم اختلاف کو تا حد طوفان پہنچانے کے لئے یہ کتاب شائع کر دی گئی۔[1]

جیمس مل پہلا انگریز مورخ ہے جس نے ہندوستان کی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے، ہندو دور، مسلم دور اور دور جدید، اس نے ہندو مسلم تہذیب کی کش مکش پر جس قدر زور دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فرقہ واریت کی چنگاریوں کو ہوا دی جارہی ہے، اس کی بہت سی مثالیں ان انگریز مورخین کی پیش کی جا سکتی ہیں جنھوں نے قرون وسطیٰ کے ہندوستان کو "بحر طوفان خیز" بنا دیا تھا اور مسلم تہذیب و ہندو تہذیب کو باہم ٹکرانا اپنا مشغلہ بنا لیا تھا،

ایم ہمنت راؤ ایم، اے (عثمانیہ) فرماتے ہیں:-

تاریخ کے اس دور کی اہمیت کو سمجھنے اور اس عہد کی نسبت رائے قائم کرنے میں موجودہ زمانے کے مورخین نے عام طور پر غلطی کی ہے اس غلط فہمی کی بنا پر لوگ اس عہد کو یا تو دور بربری یا دور استبداد خیال کرنے لگے اور تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کے ذہن میں یہ غلط تصور سما گیا کہ مسلم راج کا خیال گویا ہندوستان کی تباہی و بربادی تھی اور مسلمانوں کے آتے ہی قتل و غارتگری لوٹ مار و تاراجیت کا وہ دور شروع ہوا جس نے ہندو تہذیب و تمدن کی بنیادوں کو اکھیڑ دیا، ہندوؤں کے مقدس مقامات کو منہدم کر دیا اور ان کی شائستگی کا خاتمہ کر دیا، اس غلط فہمی کا اہم سبب

[1] مقدمہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، دہلی، ۱۹۶۰ء، ص ۳۲

یہ تھا کہ تاریخ مرتب کرنے والوں نے اس دور میں ہندو مسلمان معاشروں
مذہبوں اور شائستگیوں کے درمیان جو پوشیدہ و غیر دانستہ ملاپ و
امتزاج ہو رہا تھا اسے یا تو غیر اہم خیال کیا یا عمداً نظر انداز کر دیا اور
تاریخ کے اس پہلو کے تحقیق کی بہت کم کوشش کی گئی ورنہ بہت جلد اصلی
حالات روشنی میں آتے اور غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے،[49]

جب انگریز ہندوستان میں آئے تو انھیں ہماری تاریخ عیسائیوں کی مذہبی موشگافیوں
سے پاک ملی، معاصر مآخذوں کی قیمتی دولت جو ہم مشرقیوں کا اہم اثاثہ ہے، ان نو واردوں
نے نہ اس کی قدر کی اور نہ ایماندارانہ طور پر اس سے کام لینا چاہا حالانکہ مشرق کے ان
ہی علوم سے یورپ کو تاریخ نویسی کا ایک نیا انداز ملا ہے،[50]

انگریز مورخین نے اپنے سیاسی اغراض کے لئے ہماری تاریخ کے صرف اس رخ
کو دیکھا جس میں مسلمان مورخین کے انفرادی جذبات تھے ان میں مسلمان سپاہی
صرف ہندوؤں ہی سے جنگ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ہندوستان میں مسلمانوں
کی جنگیں زیادہ تر مسلمانوں ہی سے ہوئی ہیں کاش ان مورخین نے مسلمان سلاطین کے
عدل و انصاف کے واقعات کو پیش نظر رکھا ہوتا مسلمان امراء کی مسلم و غیر مسلم فنکاروں کی سرپرستی
دکھائی ہوتی، خانقاہوں میں ہندو و مسلم عوام کے اجتماع پر نظر ڈالی ہوتی اور ان مسلمان
درویشوں کی آنکھوں کی طرف دیکھا ہوتا جو ہر وقت بیکس عوام کیلئے رویا کرتی تھیں انکے

---

[49] مقالہ " ازمنہ وسطیٰ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی عمرانی اور مذہبی زندگی کے چند پہلو"
سیاست حیدرآباد، جولائی، اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء ص ۳۶۵ - ۳۶۶

[50] تفصیل کیلئے دیکھئے: خطبۂ صدارت استشرقین کی بین الاقوامی کانگریس منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۶۴ء، معارف فروری ۱۹۶۴ء

قدموں کی طرف نظر کی ہوتی جو ناداروں کی فریادرسی کے لئے درباروں کی طرف اٹھا کرتے تھے،

انگریز مورخین نے ہمارے اتحاد قومی کو نقصان پہونچانے کے لئے ہندوؤں کو یہ باور
کرایا کہ وہ اسلامی عہد میں مسلمان حکمرانوں کے ظلم و ستم کے شکار رہے ہیں، انکی عبادت
گاہوں کو نقصان پہونچایا گیا ہے اور ان کے مذہب کی توہین کی گئی ہے لیکن اگر غائر نظر سے
واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو عجیب تضاد نظر آتا ہے ایک طرف انگریز مورخین کے یہ بیانات
ہیں دوسری طرف اس ایک ہزار سال کی طویل مدت میں حکمراں قوم اپنی تعداد ایک چوتھائی
سے زیادہ نہ بڑھا سکی ان کے پایہ تخت کے گرد تک ہندوؤں کی آبادی کی اکثریت رہی
جو اپنی مذہبی رسوم بخوبی انجام دیتی تھی،[51] جہاں تک معاشی خوشحالی کا سوال ہے ایک
مشہور مسلمان مورخ ضیاء الدین برنی اس بات کی سخت شکایت کرتا ہے کہ اس کے
عہد میں ہندوؤں کو اتنی مراعات کیوں حاصل ہیں،[52] صوفیائے کرام کے تذکروں میں ایسے
واقعات بھی ملتے ہیں کہ بازاروں میں سور کا گوشت بکتا ہے،[53] اور مسجدوں میں مسلمان
قتل کئے جاتے ہیں[54] مسلمان بادشاہ بے بس نظر آتے ہیں،

ہندوؤں کی عبادت گاہوں کا مسئلہ محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت طے ہو چکا تھا
کہ شریعت اسلامی میں ان کو کیا مقام دیا جائے اور صلح ہو جانے کے بعد انکی عبادتگاہوں
کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:-

---

[51] تاریخ فیروز شاہی، جلد اول، ص ۲۱۷

[52] فتاویٰ جہانداری (روٹوگراف شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) ص ۱۲۰ الف

[53] لطائف قدوسی، ص ۳۱

[54] اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، ص ۶۹

"غور کیجئے کہ محمد بن قاسم ثقفی کی عربی فوج نے ۹۶ھ میں جب بودھوں کے بلاد پر سندھ پر قدم رکھا تو پہلے ہی دن ان عربوں نے ہندوؤں کی حیثیت شرعی کو متعین کر لیا اور ان کو وہی حیثیت دی جو ان سے پہلے صحابہ نے اہل فارس کو قرار دی تھی یعنی شبہ اہل کتاب جس کے معنی یہ ہیں کہ دو باتوں کے سوا یعنی نکاح اور ذبیحہ کے علاوہ اور تمام امور میں انکے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کیا جائے، نیز یہ کہ یہاں کے مندروں کی حیثیت ایران کے آتشکدوں کی ہے جس طرح صحابہ نے آتشکدے نہیں توڑے اسی طرح مصالحت ہو جائے تو یہ مندر بھی توڑے نہیں جائیں گے چنانچہ سندھ اور ملتان میں چوتھی صدی تک اسلامی حکومتوں کے باوجود یہ مندر اسی طرح قائم رہے، مورخ بلاذری نے حالات لکھے اور اکثر عرب سیاحوں نے ان کی کیفیت بیان کی ہے"[1]

اسلام نے دنیا کی اقوام کو چار حصوں[2] میں تقسیم کیا ہے،

(۱) مسلمان (۲) اہل کتاب (۳) شبہ اہل کتاب (۴) کفار

اسی تقسیم کی رو سے ہندوستانی مسلمان حکمرانوں اور فقہاء نے ہندوؤں کو شبہ اہل کتاب قرار دیا ہے (حضرت مظہر جانجاناںؒ نے ہندوؤں کو اہل کتاب قرار دیا ہے) اور ان پر اہل کتاب کی طرح جزیہ مقرر کیا، فیصلہ کے تحت علماء نے مندروں کو توڑنا اسلام کے منافی قرار دیا ہے، سکندر لودی کے عہد میں بتخانوں کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں ملک العلماء میاں عبد اللہ اجودھنی نے بادشاہ کو لکھا تھا،

۱؎ مقالات سلیمان (حصہ تاریخی) جلد اول، ص ۳۸۵، ۳۸۶

۲؎ تفصیل کے لئے دیکھئے: عرب و ہند کے تعلقات، ص ۱۹۲، ۱۹۳

"بت خانہ قدیم را ویراں ساختن جائز نیست"[1]

درویشوں کی مجالس میں تو بتخانوں کا تذکرہ احترام سے کیا جاتا تھا اور بتخانوں میں صوفیائے کرام کا نام عزت سے لیا جاتا تھا،[2]

اس عہد کے متعدد شعراء نے بتخانوں کا ذکر بڑے ذوق شوق سے کیا ہے،

(۱) خسروؔ فرماتے ہیں ؎

بسی بتخانہ دیدا از سنگ سازش زطرز سیم و زر بستہ طرازش[3]

(۲) ہمایوں کے عہد کا شاعر ہجری مغلوں کے ابتدائی دور میں مندروں کی کثرت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے،

ہر طرف بتخانہ ہا پر از بتان دلربا کز لطافت ہر یکے رشک بتان آزر است[4]

(۳) عہد اکبری کا شاعر نوعی جلبو شانی (متوفی ۱۰۱۹ھ) مندروں اور برہمنوں

۱؎ تاریخ داؤدی، مصنفہ عبد اللہ علی گڑھ ۱۹۶۹ء ص ۲۹ نیز دیکھئے: طبقات اکبری ص ۳۳۶

مسلمانوں نے تو دنیا کا سب سے بڑا بتخانہ کعبہ بھی تاخت و تاراج نہیں کیا صرف بتوں سے عمارت کو خالی کر دیا گیا اور اسکی حرمت، عظمت اور بزرگی قائم و دائم رکھی ؎

برہیں کرامت بتخانہ مرا اے شیخ کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

۲؎ دُرِّ نظامی، مصنفہ مولانا علی محمود بن جاندار، مترجمہ یٰسین علی نظامی، دہلی ۱۹۲۷ء ص ۱۸۱

پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے دوران گفتگو اکثر فرمایا کہ دُرِّ نظامی موضوع ہے لیکن پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اسکو مستند قرار دیا ہے، دیکھئے مقالہ "ملفوظات کی تاریخی اہمیت" اندر روشنی ص [illegible]

حالات شیخ علی شاہ ابن شیخ محمود جاندار کے لئے دیکھئے گلزار ابرار (ترجمہ) ص ۸۹

۳؎ مفتاح العلوم علیگڑھ اڈیشن ۱۹۵۵ء ص ۳۲ نیز دیکھئے خزائن الفتوح علیگڑھ اڈیشن ص ۱۱

کے متعلق لکھتا ہے،

تو کئی من و دریوزۂ بتخانہ کہ معشوق   از راہ حقیقت بدل برہمناں ریخت[۱]

(۴) اویس بیگ فطرت کاشانی کہتا ہے،

من از آں ہندو پسر خونے ترک ایماں میکنم

کافرے زاہد ببیں در حلقۂ زنار کیست

دلبستہ ام بصحبت شکر لباں ہند

طوطی صفت گرفتہ زبہ دستاں روم[۲]

دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی بہت سی حکومتیں قائم ہوئیں ان کے زیر سایہ عیسائی، یہودی، زردشتی، بدھ اور ہندو مختلف مذاہب کے لوگ امن و سکون کے ساتھ رہے کسی قوم کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا گیا، ہندوستان کے چھ سو سالہ (۱۲۰۶ تا ۱۸۵۷ء) دور حکومت میں بھی اس پر عمل رہا،

(۵) مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں،

"میں دنیا کے مورخوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ ہزار سال سے زیادہ طویل مدت جس میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں لیکن کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ غیر قوم کے کسی فرد کو حکومت نے محض اسلئے قتل کر دیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہے یا یہ کہ کسی کو مجبور کیا گیا ہو کہ وہ اپنے موروثی مذہب کو ترک کر دے"[۳]

---

۱ معارف جون ۱۹۶۷ء،

۲ معارف اپریل ۱۹۶۳ء ص ۲۷۲

۳ معارف جون ۱۹۵۰ء ص ۴۱۴، ۴۱۵،

(۶) پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں،

"مغلوں کی پوری تاریخ میں کوئی جلیانوالہ باغ نہیں ملتا، انکے یہاں کوئی مانچسٹر نہ تھا جس کی خاطر وہ ڈھاکہ کی ململ بنانے والوں کے ہاتھ کاٹ ڈالتے، ان کے یہاں کعبہ تھا لیکن انھوں نے قشقہ لگانے میں تامل نہ کیا"[۱]

---

۱ علی گڈھ میگزین، اکبر نمبر ۱۹۵۵ء نیز دیکھئے "اسلامی حکمرانوں سے مسلمانوں کی ایک بیجا شکایت" مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی، معارف اگست تا دسمبر ۱۹۴۸ء،

بزم تیموریہ حصہ اول

بزم تیموریہ کا پہلا اڈیشن تمام عظیم مغل سلاطین بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، عالمگیر ظفر شاہ آخری مغل بادشاہ اور تیموری شاہزادوں اور شاہزادیوں اور ان سب کے درباروں کے متوسل امراء، فضلاء اور شعراء کے تذکرہ، اور ان کے علمی و ادبی و شعری کمالات پر مشتمل تھا جسکو ارباب ذوق نے بہت پسند کیا اور اپنی کتابوں اور مضامین میں اس دور کے مستند ترین ماخذ کی حیثیت سے اس کے حوالے دئے اور ناقدین نے مصنف کی محنت و جانفشانی کی داد دی، اب نظر ثانی کے بعد اس میں اس کثرت سے اضافے ہوئے اور اس کا حجم اتنا بڑھ گیا کہ قدر دانوں اور مستفیدین کی آسانی کیلئے اس کو دو جلدوں میں کر دیا گیا، تاکہ بانی سلطنت تیموریہ سے لیکر ظفر شاہ تک کے عہد کے علم و ادب اور شعر و سخن کا پورا مرقع نگاہوں کے سامنے آجائے، اس جلد میں جو زیر طبع ہے تین متقدم الذکر مغل سلاطین یعنی بابر، ہمایوں اور اکبر کے علمی ذوق اور ان کے دربار کے تمام قابل الذکر امراء شعراء اور فضلاء کے تذکرہ کے ساتھ ان کے علمی کمالات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، خصوصاً دربار اکبری کا تو پورا مرقع نگاہوں کے سامنے آگیا ہے،

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نے
مصلحۃً بعض متفقہ اسلامی احکام میں تبدیلی کی ہے ؟

مترجمہ محمد نعیم ندوی صدیقی ایم، اے رفیق دار المصنفین

حضرت عمر فاروق رض کی شخصیت نہ صرف اسلام اور عرب بلکہ پوری نوع انسانیت کیلئے باعث فخر ہے، ان کی عبقریت کی شہادت جہاں اُنکے دوستوں اور محبین نے دی ہے وہیں ان کے دشمنوں اور مخالفین نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے وہ صرف ایک جلیل المرتبت صحابی رسول، ماہر سیاستدان اور فاتح اعظم ہی نہ تھے بلکہ امامت و اجتہاد کے بلند منصب پر بھی فائز تھے، مسائل فقہیہ میں حضرت عمر رض کے اجتہادات، ان کی نکتہ سنجی، دقیقہ رسی اور دقت فکر کے ٹھوس واقعات بکثرت ہیں، اسی کی بنا پر آج کے بعض نام نہاد محققین شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عمر فاروق رض نے بہت سے مسائل میں نص قطعی سے انحراف کیا ہے یا اس پر "مصلحت" اور رائے کو ترجیح دی ہے[1]، اور فقہ فاروقی پر جن لوگوں کی گہری اور وسیع نظر نہیں ہے انھوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت عمر رض کے علاوہ بھی ہر شخص کو نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں مصلحت کو ترجیح دینا جائز ہے خواہ وہ نص کتنا ہی قطعی الثبوت

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرائیں،

اور قطعی الدلالۃ کیوں نہ ہو،

یہ صحیح ہے کہ حضرت عمر رض اجتہاد کے معاملہ میں معصوم عن الخطا نہیں تھے لیکن انھوں نے کسی مصلحت اور رائے کی خاطر نص قطعی کو کبھی ترک یا مسخ نہیں کیا بلکہ ان کے زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہوئے ان کو حل کرنے کے لئے نصوص کے مالہ وما علیہ کو سمجھنے کی امکانی کوشش کی اور شریعت کی روح اور نص کے منشا پیش نظر رکھکر مسئلہ کا حل نکالا، اس سلسلہ میں ان سے بعض لغزشیں بھی ہوئیں مگر جیسے ہی وہ اپنی غلطی سے آگاہ ہوئے بلا کسی پس وپیش کے انھوں نے اس سے رجوع کر لیا، یہاں ہمارا مقصد حضرت عمر رض کے تمام اجتہادات کا استقصا نہیں ہے اس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے ذیل میں صرف چند ایسے مسائل پیش کئے جاتے ہیں جنھیں مخالفین اپنے دعوے کے ثبوت میں بار بار پیش کرتے ہیں،

مؤلفۃ قلوب کا مسئلہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدوی قبائل کے بعض بڑے سرداروں مثلاً زبرقان بن بدر، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس وغیرہ کو ان کی تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ کے مال میں سے ایک خاص حصہ دیا کرتے تھے، حالانکہ یہ لوگ خود دولت مند تھے، حضور اکرم ص کا یہ عمل اس آیت کے مطابق تھا جس میں مولفہ قلوب کو بھی مصارف زکوٰۃ میں شمار کیا گیا ہے،

[1] مترجم :- علامہ شبلی الفاروق جلد دوم میں لکھتے ہیں :- "فقہ کے جسقدر مسائل حضرت عمر رض سے بروایات صحیح منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہونچتی ہے، ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں، اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے......... مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کی مدد سے فقہ فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھکر ازالۃ الخفا میں شامل کر دیا ہے" (ص ۲۱۷)

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ
وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً
مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ)

زکوٰۃ حق ہے مفلسوں کا محتاجوں کا، زکوٰۃ کے کام
پر جانے والوں کا، جن کا دل پرچانا منظور ہے
انکا، گردن چھڑانے والوں کا اور قرضداروں کا
اللہ کے راستہ میں اور مسافروں کا، یہ اللہ کی طرف
سے ٹھہرایا ہوا ہے، اللہ سب کچھ جاننے والا اور ...

عہد صدیقی میں ان قبائل کے لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے زکوٰۃ میں سے اپنے اس حق کا مطالبہ کیا، انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں عمال زکوٰۃ کے نام حکم نامہ جاری کر دیا پھر جب یہ لوگ حضرت عمرؓ سے ملے تو انھوں نے غور و فکر کے بعد فرمایا،

اللہ جل شانہٗ نے اسلام کو تمام دنیا میں سربلند اور غالب کر دیا ہے، اب جسکا دل چاہے اپنے سینہ کو نور ایمان سے معمور کرے اور جو چاہے ضلالت کفر میں بھٹکتا رہے، آیت ربانی فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر کی یہی تفسیر ہے، البتہ اگر تمہارا شمار فقراء اور مساکین میں ہے یا تم میں کوئی ایسا وصف ہے جسکی بنا پر تم مال زکوٰۃ کے مستحق ہو تو یقیناً ہم تمھیں دیں گے، لیکن تالیف قلب کیلئے اب کچھ نہ دیا جائے گا،

یہ سن کر وہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں واپس آئے اور بڑی ناگواری سے کہا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ فرمایا ھو ان شاء اللہ، اور اس کے بعد حضرت عمرؓ کے فیصلے سے اتفاق کر کے اس کو برقرار رکھا،

مذکورہ بالا واقعہ صحاح ستہ سے اسی طرح ثابت ہے، آج کے بعض اہل قلم اور

محققین اس واقعہ کی بنا پر حضرت عمرؓ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے اس لئے نص قرآنی کو باطل قرار دیا کہ تغیر پذیر حالات میں اب زکوٰۃ کا یہ مصرف باقی نہیں رہا، بلاشبہ کسی شخص کو بھی حکم ربانی کے بدلنے یا اس سے روگردانی کرنے کی اجازت نہیں، لیکن حضرت عمرؓ کا مذکورہ عمل اس ذیل میں نہیں آتا، اللہ جل شانہ نے اپنے ارشاد میں زکوٰۃ کا مستحق اشخاص یا افراد کو قرار نہیں دیا بلکہ صفات کو اس کا معیار بنایا ہے، مثلاً فقر، مسکینی زکوٰۃ کے جمع و تقسیم کا کام اور تالیف قلب "المؤلفۃ قلوبہم" میں دراصل تالیف القلوب استحقاق زکوٰۃ کی شرط ہے نہ کہ زبرقان وغیرہ اشخاص جنھوں نے مال زکوٰۃ میں سے ملنے والے حصہ کو اپنا لازمی حق سمجھ لیا تھا، خواہ حکومت کو ان کی تالیف قلب کی ضرورت ہو یا نہ ہو، اور ان کے دل اسلام سے مطمئن ہوں یا نہ ہوں، حضرت عمرؓ نے اپنی دور اندیشی اور دانشمندی سے اس کو سمجھ لیا کہ اسوقت جب کہ قیصر و کسریٰ اسلامی پایہ تخت کے زیر نگیں ہو چکے ہیں کسی فرقہ یا افراد کی تالیف قلب کی قطعی ضرورت باقی نہیں رہی آئندہ جب کبھی اس کی ضرورت پیش آئے گی تو پھر زکوٰۃ کا یہ مصرف استعمال میں لایا جائے گا اسلئے یہ معاملہ تمام تر خلیفۂ وقت کی صوابدید پر منحصر ہے اسی لئے جب زبرقان اور اقرع وغیرہ نے صدیق اکبرؓ سے حضرت عمرؓ کی شکایت کی کہ وہ مال زکوٰۃ سے مؤلفہ قلوب کے مصرف کو ختم کر دینا چاہتے ہیں تو انھوں نے عمر فاروقؓ کی رائے کو لغت اور نص کے اصلی مقصد کے مطابق ہونے کی بنا پر پسند کیا اور انکے فیصلہ کو برقرار رکھا،

اس وضاحت کے بعد کوئی منصف مزاج شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عمرؓ نے مصلحت کی وجہ سے نص کو باطل اور کالعدم کر دیا، بلکہ واقعۃً انھوں نے نص پر پوری دیانت داری کے ساتھ عمل کیا،

اس سلسلہ کے دو اور واقعات نقل کرنا بے محل نہ ہوگا، ایک کا تعلق قحط سالی میں حد سرقہ ساقط کرنے سے ہے اور دوسرے کا حاطب بن بلتعہ کے اونٹ چرانے والے غلاموں پر چوری کی حد نہ جاری کرنے سے ہے، صحاح میں ان دونوں واقعات کی تفصیل موجود ہے، پہلے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک سال ایسا بھیانک قحط پڑا کہ وہ اپنی عدیم المثال خشک سالی کی وجہ سے تاریخ اسلام میں "عام الرمادہ" کے نام سے مشہور ہوگیا، اسی زمانہ میں ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس فریاد لے کر آیا کہ ایک شخص نے اسکا اونٹ چرا کر ذبح کر دیا، حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم اپنے اس اونٹ کے بدلے دو موٹی تندرست اور حاملہ اونٹنیاں لینا پسند کروگے؟ کیونکہ ہم قحط سالی میں حد سرقہ جاری نہ کریں گے،

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ بنی عامر بن لوی کے چار افراد نے کسی شخص کا ایک اونٹ پکڑ کر ذبح کر دیا، جب یہ معاملہ بارگاہ فاروقی میں پیش ہوا تو حسن اتفاق سے بنی عامر کے بھائی حاطب بن بلتعہ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا "حاطب فوراً اٹھو! اور مذبوحہ اونٹ کے مالک کو اس کے اونٹ کے بدلے دو اونٹ خرید کر دو" حاطب نے فوراً اس کی تعمیل کی، پھر حضرت عمرؓ نے چاروں ملزمان کو کوڑے لگوا کر نکال دیا

ان دونوں واقعات میں فی الواقع حضرت عمرؓ نے کسی حد شرعی کو باطل قرار نہیں کیا بلکہ فرمان نبوی "ادرؤا الحدود بالشبہات" سے فائدہ اٹھایا ہے، پہلی صورت میں بھیانک قحط نے اونٹ ذبح کرنے پر مجبور کیا تھا مجرموں نے اپنے رشتۂ جاں کو باقی رکھنے کیلئے ایسا کیا تھا، دوسرے موقع پر حاطب کے غلاموں نے بھوک سے نڈھال ہونے کے سبب یہ حرکت کی تھی کیونکہ یہ بات ثابت شدہ تھی کہ حضرت

حاطبؓ بہت بخیل تھے اسی لئے حضرت عمرؓ نے حاطبؓ کو حکم دیا کہ وہ اونٹ کے مالک کو اس کے معاوضہ میں دو اونٹنیاں خرید کر دیں اور غلاموں کو کوڑے کی سزا دی تاکہ آئندہ دوسرے لوگ اس واقعہ کو حجت بنا کر لوٹ کھسوٹ کی جرأت نہ کر سکیں اگر ان دونوں صورتوں میں حضرت عمرؓ حد شرعی نافذ کرتے تو درحقیقت قانون اسلامی کے مسلم اصول "ادرؤا الحدود بالشبہات" کے صریحی خلاف ہوتا،

سواد عراق کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کا موقف

عہد فاروقی میں اسلام کو جیسی عظیم اور وسیع فتوحات حاصل ہوئیں اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی انہی کے عہد میں عراق، فارس، شام، مصر اور لیبیا وغیرہ کی سرزمین پر اسلام کا پرچم لہرایا ان فتوحات نے خلیفۂ وقت کیلئے آراضی مفتوحہ کی تقسیم کا ایک بڑا مسئلہ پیدا کر دیا مجاہدین کا خیال تھا کہ دوسرے مال غنیمت کیطرح ان زمینوں کا چار خمس بھی ان میں تقسیم ہونا چاہیے، لیکن حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ان زمینوں کو قومی مصالح کے پیش نظر محفوظ رکھا جائے اور ان کے مالکوں کے قبضہ میں چھوڑ کر ان پر خراج مقرر کر دیا جائے اور اس کی آمدنی کو امور عامہ مثلاً سرحدوں کی حفاظت، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور فوجیوں کی تنخواہ میں صرف کیا جائے،

مخالف جماعت صحابہ جس میں عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن العوام اور بلالؓ بن رباح پیش پیش تھے کی دلیل یہ تھی کہ مفتوحہ زمینیں بھی منقولہ جائداد کی طرح غنیمت ہی کا مال ہے اور اس کی نظیر میں خیبر کی زمین کو پیش کرتے تھے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا تھا[1]، حضرت عمرؓ کی دلیل یہ تھی کہ مفتوحہ آراضی بنو نضیر اور بنو قریظہ کی

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو،

طرح "ارض فے" کی قبیل سے ہیں اور اس کی تائید میں سورہ حشر کی ان آیات سے استدلال کیا تھا،

ما افاء اللّٰہ علی رسولہ من اھل القری فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین و ابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم،

اللہ بستیوں والوں سے اپنے رسول کو جو کچھ ہاتھ لگا دے وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کیلئے، اور قرابت داروں، یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے، تاکہ (مال) تمہارے مالدار لوگوں ہی کے درمیان نہ گردش کرتا رہے،

اس کے بعد کی آیات ہیں،

للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضوانا وینصرون اللّٰہ ورسولہ اولئک ھم الصادقون

یہ مال ان مفلس مہاجرین کیلئے ہے جن کو ان کے گھروں اور دوسرے اموال سے زبردستی بے دخل کر کے نکال دیا گیا ہے یہ لوگ اللہ کی رضامندی اور اسکے فضل کے طلبگار بن کر اللہ اور اسکے رسول کی مدد کرنے آئے ہیں یہی لوگ صحیح معنی میں ہیں،

لہ مترجم:۔ دراصل غنیمت اور فے کو لوگوں نے ایک ہی سمجھا اسلئے مغالطہ میں پڑ گئے، ائمہ مجتہدین میں امام شافعی بھی انہی لوگوں کے ہمرائے ہیں انکے نزدیک مفتوحہ زمینیں بھی مجاہدین میں تقسیم کردینی چاہئیں، امام شافعی اور انکے ہم خیالوں نے بھی ارض خیبر سے استدلال کیا ہے، لیکن انھوں نے یہ بات غالباً ملحوظ نہیں رکھی کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی تو فتح ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے قبل تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن حضور نے اسکا کوئی حصہ بھی تقسیم

اس کے بعد فرمایا۔

والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون

اور (یہ مال ان لوگوں کیلئے ہے) جنھوں نے ایمان لا کر ان مہاجرین سے پہلے اس گھر (دار الہجرت) کو آباد کر رکھا ہے جو لوگ ہجرت کر کے انکے یہاں آتے ہیں، انھیں یہ محبوب رکھتے ہیں اور انھیں جو کچھ دیا جائے اسکے لئے اپنے دل میں کوئی غرض محسوس نہیں کرتے، یہ لوگ اگر خود فاقہ مست ہوں تو بھی ان مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے اور جو لوگ اپنی طبیعت کے لالچ سے محفوظ رکھے گئے وہی درحقیقت فلاح یافتہ ہونگے،

پھر ارشاد ہے،

والذین جاؤ من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم،

اور (یہ مال ان لوگوں کیلئے ہے) جو ان کے بعد یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے پروردگار ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کیلئے کوئی بیر نہ رکھ اے پروردگار تو بڑا شفیق و رحیم ہے،

ان آیات کو پیش کر کے حضرت عمر فاروق نے دوسری جماعت کے لوگوں سے فرمایا کہ،

فکانت ھذہ عامة لمن جاء	یہ سب آیندہ آنے والوں کیلئے ہے
من بعدھم فقد صار ھذا الفئ	اس بنا پر یہ ممالک لوگوں کا حق ٹھہرے
بین ھؤلاء جمیعا فکیف نقسمه	پھر میں اسکو موجودہ لوگوں میں کیسے تقسیم
لھؤلاء ندع من یخلف بعدھم	کردوں اور انلوگوں کو محروم کردوں
	جو آیندہ آئیں گے۔

"انھوں نے یہ بھی فرمایا،

اللہ تعالی نے تمھارے بعد آنے والے لوگوں کو بھی اس فے میں شریک قرار دے دیا ہے اب اگر میں اسے تقسیم کردیتا ہوں تو تمھارے بعد آنے والوں کیلئے کچھ بھی باقی نہ بچے گا، اور اگر میں زندہ رہا تو صنعاء کے ایک چرواہے کو بھی اس فے میں سے اس کا حصہ پہونچ جایا کرے گا جب کہ اس کا خون اس کے چہرہ ہی میں ہو گا،،

مخالفین نے جن کے سرخیل حضرت عبدالرحمن بن عوف رض تھے، فاروق اعظم رض سے کہا کہ جو علاقے اللہ جل شانہ نے ہماری تلواروں کے بل پر ہمیں عطا کئے ہیں ان کو کیا آپ ان لوگوں کیلئے روک رکھیں گے جو نہ اسوقت موجود تھے اور نہ جنگ میں شریک ہوئے، آپ ان کو آیندہ نسل در نسل کے لئے روک رکھنا چاہتے ہیں جو موجود بھی نہیں، حضرت عمر رض نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ میری رائے ہے" لوگوں نے کہا پھر آپ باقاعدہ مشورہ کیجیے" چنانچہ حضرت فاروق اعظم رض نے مہاجرین و انصار کے اکابر و اشراف کو جمع کر کے فرمایا

میں نے آپ حضرات کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر جو

معاملات کی جو ذمہ داری ہے اس میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں، کیونکہ میں بھی تمھاری طرح ایک انسان ہوں، آج آپ حضرات کو حق متعین کرنا ہوگا، بعض لوگوں نے مجھ سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے اتفاق، میں نہیں چاہتا کہ آپ حضرات بہرحال وہی رائے قبول کریں جو میں نے اختیار کی ہے آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے پس خدا کی قسم اگر میں نے کوئی بات ایسی کہی جس پر میں عمل کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سے میرا ارادہ سوائے اتباع حق کے کچھ اور نہیں،،

یہ سن کر ان لوگوں نے کہا" امیرالمؤمنین! آپ فرمایئے ہم سنیں گے اور غور کریں گے"

آپ نے فرمایا:-

آپ نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جنکا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں میں ظلم کے ارتکاب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، اگر میں نے کوئی ایسی چیز جو ان لوگوں کا حق تھی ان کو نہ دی ہو اور دوسروں کو دے دی ہو تو میں بڑا ہی بدبخت ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ کسریٰ کی زمین کے بعد اب کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے جو فتح ہو، اللہ نے ان کے اموال، زمینیں اور کاشتکار ہمیں بطور غنیمت عطا کر دئے ہیں، ان لوگوں کو غنیمت میں جو مال ملا تھا اسے تو میں نے اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے، اور ایک خمس نکال کر اسے اس کے متعینہ مصارف میں تقسیم کر دیا ہے بلکہ اب بھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں، میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو مع کاشتکاروں کے سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور اس کے کاشتکاروں پر خراج عائد کر دوں اور خود ان پر فی کس جزیہ عائد کر دوں جسے وہ ادا کرتے رہیں اسطرح یہ جزیہ اور

خراج مسلمانوں کے لئے مستقل فے کا کام کریگا جس کی آمدنی میں فوجی کمسن افراد اور آئندہ نسلیں حصہ دار ہوں گی، دیکھئے ان سرحدوں کی حفاظت کیلئے کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستقلاً وہاں رہیں، یہ بڑے بڑے شہر جیسے شام، الجزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر، ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم رکھنا اور ان کو وظایف دیتے رہنا ناگزیر ہے، اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشتکار تقسیم کر دئے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے دیا جائیگا،،

یہ مدلل اور دلنشین تقریر سن کر حضرت عثمان، علی، طلحہ، ابن عمر اور دوسرے کبار انصار نے حضرت عمرؓ فاروق کی رائے سے اتفاق کیا اور بیک زبان کہا،

"آپ ہی کی رائے صحیح ہے، آپ نے جو فرمایا وہ خوب ہے اور جو رائے قائم کی ہے وہ بہت موزوں ہے"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں حضرت عمرؓ نے نصوص شرعیہ کی گہرائی تک پہونچکر جو رائے مصلحت سے زیادہ قریب سمجھی اسی کو اختیار کیا، اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے ان کی پوری تائید کی، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عمر فاروقؓ نے کسی نص قطعی کو ترک کیا بلکہ ایک مجتہد کی طرح ظاہر نص اور اسکی روح کی رعایت کرتے ہوئے اپنے خیال کو مرجح قرار دیا ہے،

تمتع حج اور متعہ کی تحریم بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی لیکن پھر بعد میں بتدریج اس کو حرام قرار دے دیا، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا اور صحابہ کے بھرے مجمع میں اس بات کا اعلان کیا کہ تحریم متعہ خود ان کا کوئی ذاتی اجتہاد

نہیں ہے بلکہ یہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی کے فرمان کا عملی نفاذ ہے، ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ جب خلیفہ ہوئے تو ایک تقریر میں فرمایا،

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم اذن لنا في المتعة ثلاثا ثم حرمها	بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین بار متعہ کی اجازت مرحمت فرمائی پھر اسے حرام قرار دے دیا،

انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے منبر پر چڑھ کر خدا کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا،

ما بال رجال الذين ينكحون هذه المتعة بعد نهي رسول الله صلى الله عليه وسلم عنها	آخر وہ لوگ کیوں نہیں باز آتے جو رسول اکرمؐ کی ممانعت کے باوجود متعہ کرتے اور غیر مناسب کام کرتے ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں تحریم متعہ پر شدت کے ساتھ عمل کرایا تو یہ انکا کوئی شخصی اجتہاد یا عمل نہ تھا بلکہ نص کے عین مطابق اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فرمان کا عملی نفاذ تھا۔

تمتع حج یہ ہے کہ انسان ایام حج میں پہلے عمرہ کا احرام باندھے اور اس کے ارکان کی ادائیگی کے بعد احرام کھولدے، پھر یوم عرفہ کو حج کا احرام باندھ لے، ان دونوں احراموں کے درمیانی وقفہ میں اس کے لئے ہر کام جائز اور حلال رہتا ہے، حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوا کہ بعض لوگ اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر اپنی بیویوں سے اختلاط کرنے میں مضائقہ نہ تصور کریں گے، اس لئے انھوں نے اس پر پابندی عائد کرنی چاہی لیکن جب ان سے کہا گیا کہ رسول اکرمؐ نے اسے جائز قرار دیا ہے تو حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے اور

اپنے خیال سے رجوع کرلیا،

یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ جب عمر فاروق رضؓ کے نزدیک نص کی صحت ثابت ہوجاتی تو وہ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے یا اپنے فیصلہ سے باز آجاتے تھے، حالانکہ خلیفۂ وقت کو شرعاً پوری آزادی حاصل ہے کہ اگر وہ مباحات میں بھی امت کا حد سے تجاوز اور شر کو خیر کے پہلو پر غالب دیکھے تو قومی مصالح کے پیش نظر مباحات پر بھی پابندی عائد کرسکتا ہے کیونکہ اسلامی قانون کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ "درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح"

طلاق ثلاثہ کا مسئلہ | اس مسئلہ میں بنیادِ اختلاف حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی وہ روایت ہے جسے امام احمد، مسلم اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے،

کان الطلاق علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و سنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ،	عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے دو برس تک تین طلاق ایک شمار کی جاتی تھی،

پھر جب اس معاملہ میں لوگوں نے حد سے تجاوز اختیار کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا،

قد استعجلوا فی أمر قد کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم،	جس معاملہ میں (یعنی طلاق) لوگوں کو صبر سے کام لینا چاہئے تھا اس میں عجلت کرنے لگے ہیں، کاش ہم اسکو نافذ کرسکتے چنانچہ انھوں نے اسے نافذ ہی کردیا۔

یہاں ایک اشکال یہ پیش آتا ہے کہ کتب حدیث میں بعض ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جو مذکورہ بالا حدیث (مروی عن عبداللہ ابن عباس) کے خلاف ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا

ہوتا ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت اسی مسلک پر عامل تھی، کتاب اللہ کی جن آیات میں مطلق طلاق کا ذکر آیا ہے، وہ ایک لفظ اور اس کی تکرار کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتیں، بلکہ ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس میں طلاق ثلاثہ بتکرار الفاظ اور بیک مجلس مراد ہے، رسول اکرم، صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے ابتدائی عہد میں اسی پر عمل تھا کہ تین طلاقیں ایک نشست میں دینے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی تھی ان کا خیال یہ تھا کہ پہلی بار یا پہلے لفظ ہی سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اب دوسری دو طلاقیں محض تاکید کا حکم رکھتی ہیں،

لیکن بعد میں جب لوگ اس میں بے احتیاطی کرنے لگے تو حضرت عمرؓ نے حکم دے دیا کہ اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہونگی اسے نص سے روگردانی نہیں کہہ سکتے بلکہ حضرت عمرؓ نے مصلحت وحسن تدبیر کے تقاضے سے ایک احتمال کو دوسرے احتمال پر ترجیح دی تھی،

قطب الاقطاب دیوان محمد رشید جونپوری عثمانی

از

مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدرس مرکز علوم مدرسہ قرآنیہ
شہر جونپور

(۲)

شعر و سخن | دیوان محمد رشید کو شعر و سخن میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا جس پر انکا دیوان شاہد ہے،

ان کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو،

گرد شو گرد کہ تا گرد نہ گردی در راہ | کے بدانی کہ دراین راہ سوارے باشد

اپنے والد ماجد کے جائے مدفن کے متعلق کتنا عمدہ شعر کہا ہے،

چوں یار بہ بنگالہ کند مسکن و ماویٰ | شمسی بہ بدخشاں نہ رود لعل بہ بنگ است

غزل کا نمونہ

ہر نگاہ او دعائے دیگر است | پیچشِ زلفش بلائے دیگر است
من بیکدم سیر عالم می کنم | روح را دستے و پائے دیگر است
بر بدن صد زخم خنجر گر زنی | کے بمیرم جاں بجائے دیگر است
از دل شمسی دمے تمکین مجوے | ہر دمش چوں ہوائے دیگر است[1]

تصنیف و تالیف | دیوان صاحب، درس و تدریس کے علاوہ تالیف و تصنیف میں بھی اپنے معاصرین میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے،

[1] دیوان شمسی قلمی

سرعت تالیف میں آپ کے ہمعصروں میں آپ کا کوئی ثانی نہیں، آپ نے بعض ایسی اہم کتابیں لکھیں جو گیارہویں صدی کی علمی یادگار بن گئیں، ان کے ہر تذکرہ نگار نے انکے دوسرے کمالات کے ساتھ تصنیفی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے اور اکثر کتابوں کا تعارف کرایا ہے مگر افسوس کہ ان کتابوں میں دو کے سوا ابتک کوئی کتاب بھی طبع نہ ہوسکی اور نہ آیندہ اس کی امید ہے،

تلاش و جستجو سے دیوان صاحب کی مندرجۂ ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے،

(۱) رشیدیہ عربی:- اسکے متعلق صاحب نزہۃ الخواطر رقمطراز ہیں،

ومن مصنفاتہ الرشیدیہ فی فن المناظرۃ	آپ کی تصانیف میں رشیدیہ بہت مشہور
وہی اشہر مصنفاتہ تلقاہا العلماء بالقبول	ہے علماء نے اسکی جانب خاص توجہ کی ہے اور
تعلیقا و تدریسا۔[1]	اس پر حواشی و شروح لکھے ہیں اور درس
	میں داخل کرلیا ہے۔

رشیدیہ دیوان صاحب کی حیات ہی میں بہت مشہور ہوگئی تھی اور اسی زمانہ میں ملا محمود کے ایک شاگرد ملا عبدالباقی جونپوری نے اس پر کچھ اعتراضات کئے تھے اسکے جواب میں دیوان صاحب کے ایک شاگرد نے ردالباقیہ نامی ایک کتاب لکھی تھی جسمیں ملا عبدالباقی کے اعتراضات کے جواب کیا تھا رشیدیہ کے مغلقات کو بھی خوبی سے حل کیا ہے یہ رشیدیہ کی بہترین شرح ہے اس کا ایک قلمی نسخہ خانقاہ رشیدیہ جونپور کے کتبخانہ میں موجود ہے،

حافظ امان اللہ بنارسی المتوفی ۱۱۳۳ھ نے بھی رشیدیہ کی ایک مختصر شرح لکھی ہے اسکے علاوہ اور علماء نے بھی شروح و حواشی سے اس کی اہمیت و افادیت کو دوبالا کردیا ہے، اس

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵

کتاب کو دیوان صاحب نے ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں تصنیف کیا تھا جس کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے،

۲۔ تذکرۃ النحو:- یہ مبادیات نحو میں مختصر سا رسالہ ہے اسے دیوان صاحب نے اپنے منجھلے صاحبزادے شیخ ارشد کے لئے لکھا تھا۔ یہ رسالہ آجکل خلاصہ کے نام سے نحو میر کے آخر میں شائع ہوا ہے، تقریباً ۵ صفحہ میں دیوان صاحب نے نحو کے جملہ عوامل کو بڑے دلنشین انداز میں بیان کر دیا ہے،

۳۔ ترجمہ معینیہ :- یہ تذکرۃ النحو کی چار ورقی شرح ہے جو اپنے صاحبزادے معین الدین کے لئے لکھی تھی، یہ شرح عصر و عشا کے درمیانی قلیل وقفہ میں تحریر کی تھی۔

۴۔ ہدایۃ النحو:- یہ بھی فن نحو میں ہے جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ رسالہ خانقاہ رشیدیہ میں نہیں ہے،

۵۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ (عربی)

۶۔ شرح اسرار المخلوقات (عربی) صاحب تجلی نور: اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں۔ شرحی بعربی بغایت مستحسن و خوب، عربی میں نہایت عمدہ اور بہتر شرح ہے،

۷۔ زاد السالکین:- فن تصوف میں مختصر سا مگر جامع رسالہ ہے جس میں تصوف کے مسائل کو سلیس فارسی زبان میں قریب الفہم بنا کر پیش کیا گیا ہے،

۸۔ مقصود الطالبین۔ اوراد و اذکار میں مختصر سا رسالہ ہے،

۹۔ حاشیہ شرح مختصر عضدی (عربی) ۱۰۔ حاشیہ کافیہ ابن حاجب، ۱۱۔ دیوان شمسی

۱۲۔ مکتوبات[۵۱]

[۵۱] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۹ و نزہۃ الخواطر ج ۵ تجلی نور ص ۷۰، و سمات الاخیار ص ۴۴ ۵

ان کتابوں میں صرف رشیدیہ۔ تذکرۃ النحو۔ مکتوبات طبع ہو سکی ہیں بقیہ کتب میں چند تو خانقاہ میں ابتک موجود ہیں اور اکثر معدوم ہو چکی ہیں، صرف کتابوں میں انکا ذکر ملتا ہے،

وفات آپ کو شعبان کی آخری تاریخوں سے بخار آنا شروع ہوا علاج معالجہ کے باوجود حالت دن بدن بگڑتی گئی نقاہت و ضعف میں اضافہ ہوتا رہا، لیکن معمولات میں فرق نہیں آنے پایا، نماز باجماعت معمول کے مطابق ادا کرتے رہے، مگر رمضان کی آٹھویں تاریخ یوم پنجشنبہ کو کمزوری بے حد بڑھ گئی اور تیمم کر کے پلنگ ہی پر نماز پڑھی رات کو حالت زیادہ خراب ہو گئی لیکن نصف شب کے بعد کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے تیمم کیا اور تہجد میں مشغول ہو گئے اس سے فراغت کے بعد معمول کے مطابق ذکر بالجہر میں مشغول ہو گئے، آواز اتنی بلند تھی کہ باہر والوں کو سنائی دیتی تھی ذکر پورا کرنے کے بعد فجر کیلئے تحریمہ باندھنا چاہا تو لوگوں نے بتایا کہ ابھی وقت نہیں ہوا ہے فرمایا کہ میاں ہو گیا ہے اور لیٹ گئے صبح صادق کے قریب اٹھے تیمم کیا لیکن اس بار شدت ضعف سے تیمم کرنے میں بھی دشواری پیش آئی مگر کسی طرح تیمم کر کے فوراً لیٹ گئے، لوگ نماز پڑھنے مسجد چلے گئے اور آپ بھی تحریمہ باندھ کر نماز میں مصروف ہو گئے دوسری رکعت کے سجدہ میں تھے کہ نویں رمضان ۱۰۸۳ھ یوم جمعہ کو روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی،

مرگ مجنوں پہ عقل گم ہے میر — کیا دیوانے نے موت پائی ہے

آپ کے تلمیذ خاص و خلیفہ اجل شیخ محمد ماہ دیوگامی اعظم گڈھی نے نماز جنازہ پڑھائی اور رشید آباد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گنجینۂ علم و فن اور مخزن رشد و ہدایت کو سپرد خاک کر دیا گیا،[۵۲]

[۵۲] سمات الاخیار ص ۱۶ و تجلی نور ص ۷۳ ج، و نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۷، تذکرۃ علمائے ہند میں ہے کہ تحریمہ کے وقت وفات ہوئی،

اخلاق وسیرت | مزاج میں حد درجہ قناعت و استغنا تھا امراء و سلاطین کے دربار میں جانا قطعاً

پسند نہ کرتے تھے چنانچہ نواب سعد اللہ خاں جب شاہجہاں کی وزارت سے مستعفی ہوئے

تو شاہجہاں نے ان سے کہا کہ اپنا قائم مقام تجویز کر لو انھوں نے دیوان صاحب کا نام نامی

پیش کیا شاہجہاں نے ایک شخص حاجی محمد سعید نامی کے ذریعہ دو ہزار روپئے زاد راہ کے لئے اور

ایک عریضہ دیوان صاحب کی خدمت میں ارسال کیا اور اشتیاق ملاقات ظاہر کیا، دوسرا

خط حاکم جونپور مرزا اکرم خاں کے نام روانہ کیا کہ جس طرح ہو سکے دیوان صاحب کو آمادہ

کرکے میرے پاس دہلی بھیجدو لیکن زبردستی نہ کرنا دیوان صاحب نے شاہجہاں کی پیش کش

کو قبول نہیں کیا بعد میں دو ہزار روپے بطور نذرانہ پیش کئے مگر اسے بھی قبول نہیں فرمایا،[1]

سنت نبوی کو حتی الوسع ترک نہ فرماتے،[2] جملہ امراض میں شہد اور کلونجی استعمال فرماتے

اور شفایاب ہوتے، ایک مرتبہ بخار آیا ملا محمود جونپوری المتوفی ۱۰۶۲ھ نے علاج کیا مگر صحت

نہ ہوئی تو آپ نے کلونجی اور شہد منگا کر استعمال کیا اور بخار زائل ہو گیا، ملا محمود نے تعجب

کے لہجے میں فرمایا "کہ دوائے گرم در تپ صفراوی چگونہ مفید شد" دیوان صاحب نے ارشاد

فرمایا کہ "شما را بر قول حکما اعتماد است و مرا بر قول خدا و رسول"[3]

وضو، نماز اور مصلی کی پاکی میں حد درجہ اہتمام تھا جب تک دریا کا پانی ملتا کنوئیں

کے پانی سے وضو اور غسل نہیں کرتے تھے،[4]

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ،

---

[1] گنج ارشدی ق ا: ۳۰۰ و نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۷ و سمات الاخیار ص: تذکرہ علمائے ہند ص: ۱۱۹

[2] تجلی نور ص ۷۲ ج ۱،

[3] سمات الاخیار، گنج ارشدی ق: ۱۴۰ [4] گنج ارشدی ق ۱۳۷

تا کے بجمعیت خاطر باحتیاط وضو کند نماز ادہم بجمعیت میسر آید وچوں در وضو

احتیاط نمی کند در نماز تفرقہ خاطر آید[1]

ماء مستعمل اگر کپڑے میں لگ جاتا تو اسے دھوتے اور فرماتے کہ ہر چند موافق

فتوی آب آن طاہر است اما تقوی ازشستن را می خواہد،[2]

علمی کمالات کے ساتھ بڑے شجاع و دلیر تھے، تیر اندازی میں مہارت رکھتے تھے ایک

مرتبہ سیر کو نکلے آپ کے شاگرد شیخ عبد الشکور منیری بھی ہمراہ تھے راستے میں نواب شاہ نواز خاں

قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا آپ اس کے قریب پہنچے تو ایسے مقام پر بیٹھ گئے جو تیر کی آماجگاہ تھا

اور شیخ عبد الشکور منیری سے فرمایا کتاب لاؤ کچھ پڑھ پڑھا لیا جائے اور درس شروع کر دیا،

اثنائے درس میں ایک تیر بالکل چہرے کے پاس سے گذر گیا مگر تقریر میں کسی طرح کا انتشار نہیں

پیدا ہوا، نواب آپکی اس جرارت و شجاعت پر متحیر ہو گیا،[3]

زہد و بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ پختہ تعمیر پسند نہ تھی اگر کسی کو مضبوط عمارت بناتے ہوئے دیکھتے

تو فرماتے کہ یہ کیا بے خبری ہے کہ شئی فانی کو باقی رکھنے کی کوشش میں لگا ہے خانقاہ کا چھپر بہت

معمولی تھا ایک دفعہ کثرت بارش کی وجہ سے اس قدر پانی ٹپکا کہ گدیوں میں پانی بھر گیا، ایک صاحب نے

کہا کہ عمدہ قسم کا چھپر بنا دیا جائے تو آپ نے منع فرما دیا اور کہا

چھپر برائے مانع آب ساختند برائے منع آفتاب است چرا کہ ایام بارش چہار ماہ

است اول و آخر کم بارد و درمیان ہم شب و روز باستیعاب بارش نمی شود اگر

کے حساب نماید پانزدہ شانزدہ روز خواہد بود دریں کار عاقل نیست کہ برائے

اینقدر ایام خانہ سازد و آفتاب تمام روز می باشد خانہ برائے آنست،[4]

---

[1] گنج ارشدی ۱۴۰، [2] تجلی نور ج ۱ ص ۷۱، و گنج ارشدی ج ۱ ص ۱۳۷ [3] گنج ارشدی ج ۱ ق: ۱۵

گنج ارشدی ج ۱ ق ۱۵۰ [4] ۴۷

پالکی کے مقابلہ میں گھوڑے کی سواری پسند تھی، اکثر پیدل چلتے تھے اور بہت تیز، چنانچہ نماز فجر کے بعد جونپور سے چلتے اور منڈواڈیہہ میں جو جونپور سے ۴۳ میل کے فاصلہ پر ہے ظہر کی نماز جماعت سے ادا کرتے۔[1]

وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ کفن میں عمامہ نہ دیا جائے اور نہ ایصال ثواب کے لئے گوشت وغیرہ دعوت کی صورت میں پکایا جائے اور نہ تین دن سے زیادہ سوگ منایا جائے، نہ قبر کو پختہ بنایا جائے۔[2]

اولاد مبدأ فیاض نے دیوان صاحب کو جملہ نعمتوں کے ساتھ اولاد کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کے ۹ بچے پیدا ہوئے جن میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے ایام رضاعت ہی میں فوراً آخر بن گئے۔[3]

چار لڑکے زندہ رہے اور اپنے باپ کے صحیح جانشین ہوئے، سب سے بڑے شیخ محمد حمید تھے اور سب سے چھوٹے شیخ غلام قطب الدین درمیان میں شیخ محمد ارشد و شیخ غلام معین الدین تھے، ان چاروں کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شیخ محمد حمید یہ ۱۰۳۶ھ میں پیدا ہوئے دیوان صاحب نے تاریخی نام ابو عضد محمد حمید تجویز فرمایا، اوائل عمر میں شاہی فوج میں داخل ہوئے اور فن سپہ گری کے جوہر دکھائے لیکن آخر میں ملازمت ترک کرکے درس و تدریس و افادۂ خلق میں مشغول ہو گئے، چند کتب کے علاوہ جملہ کتب دیوان صاحب ہی سے پڑھی تھیں اور اجازت و خلافت بھی دیوان صاحب سے حاصل تھی، ان کی ذکاوت و ذہانت اور مہارت علم پر خود دیوان صاحب کو پورا اعتماد تھا، ایک دفعہ ایک تقریب کے سلسلہ میں دیوان صاحب شیخ پورہ ضلع الہ آباد تشریف لے گئے ہمراہ

[1] گنج ارشدی و سمات الاخیار [2] نزہۃ الخواطر ۵ ص ۲۷۰ [3] گنج رشیدی [4] گنج ارشدی ج ۱ ص ۱۱۵

میں شیخ محمد حمید بھی تھے، قاضی الہ آباد شیخ محمد آصف دیوان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ایک تصنیف (حاشیہ تفسیر بیضاوی) ملاحظہ کیلئے پیش کی، دیوان صاحب نے شیخ حمید کو دیدیا، قاضی کو یہ بات گراں گذری کہ خود نہیں دیکھا اور صاحبزادے کو دے دیا وہ کیا دیکھیں گے، اور شیخ محمد حمید کا امتحان لینے کی غرض سے کہا کہ چند مقامات پر کچھ اشکال ہیں، اگر آپ رفع فرما دیں تو نوازش ہو گی اور چند سخت اشکالات پیش کر دئے، شیخ محمد حمید نے سنتے ہی مدلل تشفی بخش جواب دیا، قاضی صاحب اس حاضر دماغی اور تبحر علمی پر حیرت زدہ ہوئے،[1]

سرعت تحریر میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے ایک دفعہ ایک طالب علم نے درخواست کی کہ مجھے حاشیہ عنایت فرما دیں تو نوازش ہو گی، آپ نے اسی رات کو پوری حاشیہ لکھ کر اس طالب العلم کے حوالہ کر دی۔[2]

دیوان صاحب کے مرض الموت میں امامت آپ ہی کے سپرد تھی، دیوان صاحب کی وفات کے بعد شہر کے علماء و مشایخ نے دستار جانشینی آپ کے سر پر باندھ کر آپ کو دیوان صاحب کی جگہ پر بیٹھانا چاہا جسکے آپ مستحق بھی تھے لیکن آپ نے اسے قبول نہیں کیا اور مجلس کے اختتام پر فرمایا،

عزیزان خواستند کہ درمیان برادران منازعت پیدا نمایند الحمد للہ کہ نشد۔[3]

اپنے جد امجد شیخ محمد مصطفیٰ کے مزار کی زیارت کے لئے پورنیہ تشریف لے گئے، واپسی پر راستے میں بحالت مسافرت ۲۴ رمضان ۱۰۸۶ھ کو بعمر ۴۹ سال رحلت کی، نعش جونپور لا کر رشید آباد میں دیوان صاحب کے جوار میں دفن کی گئی۔[4]

(۲) شیخ محمد ارشد:- ان کی ولادت ۱۰۴۲ھ میں ہوئی دیوان صاحب نے ابی الکفن

[1] گنج ارشدی ج ۱ ص ۱۶۲ [2] ایضاً ورق ۱۶ [3] ایضاً ورق ۱۶ [4] ایضاً ورق ۱۶

محمد ارشد سے تاریخ پیدائش نکالی اور بدر الحق لقب عنایت فرمایا، اکثر کتابیں دیوان صاحب سے پڑھیں اور چند استاذ الملک سے، بیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی میں بھی کمال حاصل کر لیا اور دیوان صاحب نے خرقۂ خلافت سے مشرف فرمایا[1]، روزانہ کا معمول تھا کہ دوپہر تک درس و تدریس میں رہتے اور ظہر کی نماز اول وقت جماعت کے ساتھ ادا کر کے پھر افادۂ طلبہ میں منہمک ہو جاتے، اس مشغولیت کے باوجود ظائف اور اشراق و چاشت کی نماز کبھی قضا نہیں ہوتی تھی، ریاضت شاقہ کے برداشت کرنے میں بالکل دیوان صاحب کے مثیل تھے[2] سنت نبوی پر شدت کیساتھ عمل تھا، بیماروں کی تیمارداری اور جنازوں میں شرکت کا خاص اہتمام تھا، توکل اتنا تھا کہ اگر کبھی فاقہ کی نوبت آجاتی تو بھی خوشی کا اظہار فرماتے، دیوان صاحب کو آپ کے زہد و تقویٰ پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک مرتبہ پورنیہ کے سفر میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دستور ہے کہ جب دوست دوست کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ تحفہ پیش کرتا ہے آپ جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونگے تو کیا ہدیہ پیش کریں گے، دیوان صاحب یہ سنکر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ ارشد پیش کر دونگا،

تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ خاندان رشیدیہ میں شیخ محمد ارشد کا مقام دیوان صاحب کے بعد سب سے بلند ہے، آپ کو ۳۰ جمادی الاولی ۱۱۱۳ھ کو بخار آنا شروع ہوا خاندانی طبیب گلمن مصر ادویہ کا علاج ہوا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، متعلقین نے دوسرے اطباء کی جانب رجوع کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا، بخار بدستور قائم رہا اور ضعف و نقاہت میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا، دوران مرض میں ایک دن مفتی محمد جمیل صاحب عیادت کے لئے تشریف لائے اور حال دریافت کیا تو آپ نے یہ اشعار پڑھے،

---

[1] گنج ارشدی و ۱۰، [2] ایضاً و ۱۰، گنج ارشدی و ۱۱ و سمات الاخیار

دل بعشق آں پری پیکر نمی دانم چہ شد ۔۔۔ درد سر باقی بجا و سر نمی دانم چہ شد
ای کہ میگوی چرا آشفتہ خاطر گشتۂ ۔۔۔ دل بزلفش بستہ ام دیگر نمی دانم چہ شد

غرض مرض بڑھتا گیا نقل و حرکت کی طاقت سلب ہو گئی ۲۴ جمادی الآخری کو عصر کی نماز شروع کی تو کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے ارکان پورے طور سے ادا نہ ہو سکے، یہ حالت دیکھ کر آپ کے جانشین اور خلیفہ شیخ غلام محمد رشید بن محب الدین بن ارشد رونے لگے اور عرض کی کہ جس ولی کی نماز میں دنیا میں فرق آجائے وہ دنیا میں باقی نہیں رہتا، ایسا ہی ہوا، ۲۴ جمادی الآخری ۱۱۱۳ھ کی شب میں کلمہ لا الہ کا ورد کرتے ہوئے واصل بحق ہو گئے، پسماندگان میں تین[3] صاحب زادے اور ایک صاحبزادی اور تقریباً ۲۰ خلفاء اور بے شمار تلامیذ وارد و تمند چھوڑے[4]،

۲- شیخ غلام معین الدین:- ان کی پیدائش ۲۴ شوال ۱۰۶۳ھ کو ہوئی انکے اور شیخ ارشد کے درمیان میں دیوان صاحب کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں مگر بچپنے ہی میں سب کے سب فوت ہو گئے،

دیوان صاحب نے آپ کا تاریخی نام ابوالواعظ رکھا[2]، دیوان صاحب کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت انہی سے تھی ان کی اکثر معروضات کو دیوان صاحب کے دربار میں قبولیت حاصل تھی[3]، انھوں نے ابتدائی کتابیں دیوان صاحب سے پڑھیں اور متوسطات کو شیخ ارشد سے[4]، ۲۹ رمضان ۱۰۸۰ھ کو جمعہ کے دن دیوان صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور ۱۰۸۳ھ کو ان کی وفات سے چند ماہ پہلے خلعت خلافت سے مشرف ہوئے[5]، غلام معین الدین نے درس و تدریس کے بجائے سپہ گری کا پیشہ اختیار کیا لیکن اصلاح

---

[1] سمات الاخیار ص ۱۸۵، [2] گنج ارشدی و ۲۱، [3] گنج ارشدی و ۲۱، [4] ایضاً ۲

باطن و تزکیۂ نفس سے کبھی غافل نہیں ہوئے، تقویٰ، طہارت، عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا، آپ فرماتے تھے کہ

مرا در سپاہگری از مجلس شرمندگی نمی آید اما وقتی کہ کمالات قطب الاقطاب و نام پیر دستگیر مذکور می شود شرمسار می گردم کہ از آں بزرگان نسبت دارم و ہیچ وصف حضرات ایشاں در خود نمی بینم،[1]

شاہ عالم کے ہمراہ حیدر آباد کی مہم پر گئے ہوئے تھے اثنائے راہ میں ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ کو وفات پائی تابوت جونپور لایا گیا اور اپنے آبائی قبرستان رشید آباد میں شیخ ارشد کے پائیں دفن ہوئے وفات کے وقت آپ کی عمر ۵۳ سال ۱۱ ماہ ۲ دن تھی آپ کے چھوٹے بھائی غلام قطب الدین نے یہ تاریخ وفات لکھی،

حریف نفس را دولت قریں بس	شہید زہد را قصر بریں بس
فنا فی اللہ چوں گشتی رسالت	معین الدین ترا ایزد معیں بس[2]

۴۔ شیخ غلام قطب الدین:۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۷۶ھ کو جمعہ کے دن پیدا ہوئے، اپنی تاریخ پیدائش آپ نے خود بیان کی ہے،[3]

روز آدینہ یازدہم ربیع الثانی

۱۰۸۰ھ میں دیوان صاحب سے بیعت اور مشرف بخلافت ہوئے،[4] ایک دن شیخ ارشد اہل تصوف کا لباس زیب تن کئے ہوئے مجلس میں بیٹھے تھے ملا محمد نصیب خلیفہ شیخ محمد ارشد نے عرض کیا کہ آپ درویش ہیں یا سپاہی، برجستہ جواب دیا کہ،

۱ـ گنج ارشدی د ۲۱، ۲ـ گنج ارشدی ۲۱، سمات الاخیار ۳ـ گنج ارشدی د ۲۷

۴ـ ایضاً د ۲۲

نہ سپاہی نہ درویش من طالب علم ام	میں سپاہی ہوں نہ ولی بلکہ ایک طالب العلم ہوں

شیخ ارشد یہ جواب سنکر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ سچ کہا،[1]

صبح دو گھنٹہ تلاوت کے بعد ذکر و اذکار میں مشغول ہو جاتے اس سے فراغت کے بعد مطالعۂ کتب میں لگ جاتے فارسی اور ہندی کے اشعار بہت عمدہ کہتے تھے تاریخ نویسی میں کمال حاصل تھا، جرأت و شجاعت میں یکتائے روزگار تھے،

گنج رشیدی ملفوظات قطب الاقطاب (دیوان صاحب) اکثر مطالعہ میں رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ

از مطالعہ ایں خود را در مجلس قطب	اس کے مطالعہ سے اپنے آپ کو
الاقطاب می یابم،[2]	دیوان صاحب کی مجلس میں پاتا ہوں،

اسی برس کی عمر میں جمادی الاولیٰ ۱۱۴۲ھ کو چہار شنبہ کے دن رحلت فرمائی، شیخ غلام محمد رشید جانشین شیخ ارشد نے نماز جنازہ پڑھائی،[3]

دیوان صاحب کے خلفاء و مجازین:۔ آپ کے خلفاء کی تعداد تقریباً چالیس ہے[4] ان میں مشاہیر کے نام یہ ہیں،

(۱) شیخ محمد ارشد:۔ انکا مفصل ترجمہ گذر چکا ہے،

(۲) شیخ میر سید قیام الدین:۔ یہ تحصیل سگڑی ضلع اعظم گڈھ کے باشندہ تھے لیکن گورکھپور میں سکونت اختیار کر لی تھی اسی لئے گورکھپوری کی نسبت سے مشہور ہوئے،

(۳) شیخ میر سید جعفر پٹنوی:۔ دیوان صاحب کے خلفاء میں آپکا مقام بہت بلند ہے،

۱ـ گنج ارشدی ۲۲ ۲ـ گنج ارشدی د ۲۳ و سمات الاخیار، ۳ـ سمات الاخیار بحوالہ گنج فیاضی قلمی، گنج ارشدی د ۲۲۵

دیوان صاحب فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ مجھے جعفر کے طفیل بخش دینگے، آپکا دور

شیخ میر قیام الدین کا مفصل حال سمات الاخیار میں مذکور ہے،

(۴) شیخ نصرت جمال عرف ثانی شاہ جامع گنج رشیدی المتوفی ۱۰۹۰ھ

(۵) شیخ نور الدین مداری المتوفی ۱۰۹۳ھ آپ دیوان صاحب کے ارشد تلامذہ سے ہیں

(۶) شیخ عبد الشکور منیری المتوفی ۱۰۹۰ھ آپکو بھی دیوان صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہے،

(۷) شیخ محمد ماہ دیوگامی دیوان صاحب کے خاص شاگرد ہیں آپ ہی دیوان صاحب کی

نماز جنازہ پڑھائی تھی،

(۸) شیخ آیت اللہ المتوفی ۱۰۷۰ھ

(۹) شیخ محی الدین متوکل جونپوری

(۱۰) قاضی محمد مودود جونپوری تمک عشرۃ کاملہ،

ہندوستان کی عربی شاعری

میں

عجمیت پر ایک نظر

از جناب مولانا عبد الجبار صاحب استاد مفتاح العلوم مئو

(۲)

هناك رسول الله يبجو لربه   شفيعاً وفتاحاً لباب المواهب

یہ شعر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے، ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد کہ مصرعۂ اول میں یبجو کا صلہ لغتِ عرب کے خلاف ہے، بالکل صحیح ہے، مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو صحیح بنانے کی جو توجیہ ڈاکٹر صاحب نے کی ہے کہ اصل کلام "یدعو لربہ" تھا مگر تصحیف کی وجہ سے اس کی جگہ "یبجو لربہ" تحریر ہو گیا، ہرگز صحیح نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ یبجو کا صلہ لام عربی زبان میں نہیں اور یدعو کا صلہ لام آتا ہے اس لئے یبجو کی جگہ یدعو کر دیا جائے تو کلام صحیح ہو جائے گا، حالانکہ عربی زبان میں جب یدعو فعل دعا کرنے اور مانگنے کے معنی میں آتا ہے تو جس ذات سے مانگا جائے گا اور دعا کی جائے گی وہ بے صلہ ہو گا اور جس شخص کے لئے دعا کیجائے گی اس کا صلہ لام آئیگا جیسا کہ "قالوا ادع لنا ربك" سے ظاہر ہے، لغتِ عرب کی رو سے ڈاکٹر صاحب کی توجیہ کا یہ مطلب ہوا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے لئے کسی شفیع اور فتاح
الابواب المواہب سے دعا کرتے ہیں نعوذ باللہ من ذلک اس لئے ایسی توجیہ ایک
عالم ربانی کے کلام کی کیسے صحیح ہوگی،

میرے نزدیک شعر میں کوئی تصحیف نہیں ہے اور شعر کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ
"یجر" چونکہ "یخشع" کے معنی کو متضمن ہے اور "یخشع" کا صلہ لام آتا ہے اس وجہ سے یہاں لام آیا،
اسطرح کی توجیہ شراح کرتے رہتے ہیں"

عندی علوم لا یکاد یحیطہا ۔۔۔ سماء و لا بر و بحر و ساحل

یہ شعر بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ "یحیط" کے بعد
"ب" نہ لانا محاورۂ عرب کے خلاف ہے" ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے مگر متقدمین
شعراء کے کلام میں بھی صلہ کی اسیطرح فروگذاشت ہوئی ہے مگر ان کے شراح نے یہ نہیں فرمایا
کہ شاعر نے عربی محاورہ کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ یہ توجیہ کی ہے کہ یہ منصوب بنزع
الخافض ہے یعنی یہاں پر حرف جر تھا مگر ہٹا دیا گیا اس لئے اسم کو منصوب رکھا گیا اس توجیہ کے
مطابق "یحیطہا" اصل میں "یحیط بہا" تھا مگر "ب" کو دور کر دینے کی وجہ سے "یحیط" کے بعد "ہا"
منصوب ہو گیا،

مروان بن الحکم کے عہد کا ایک شاعر ہے جس کو حبیب بن اوس طائی نے باب الحماسہ
میں درج کیا ہے ؎

وسائلہ بالغیب عنی و سائل ۔۔۔ و من یسئل الصعلوک این مذہب

کتنی عورتیں اور کتنے مرد مجھکو پس پشت پوچھتے ہیں آخر جو محتاج غریب کو کون پوچھتا ہے کہ اس کا راستہ کہاں ہے،
عربی محاورہ یہ ہے کہ جس کو پوچھا جائیگا اس پر "عن" کا صلہ ضرور

داخل ہوگا جیسا کہ پہلا مصرعہ اور "یسئلونک عن الساعۃ" میں "عن" مسئول عنہ پر داخل ہے
اسی قاعدہ سے دوسرے مصرعہ میں "من یسئل عن الصعلوک" تھا "عن" نکال دینے سے "الصعلوک"
منصوب بنزع الخافض ہو گیا،

جاہلی شاعر عنترہ کے قول ؎ "ولقد ابیت علی الطوی واظلہ" کی توجیہ کرتے ہوئے
صاحب اقرب الموارد لکھتے ہیں "ای اظل علیہ فحذف حرف الجر" لحاجۃ فی مثل
قولہ لولا الاسی لقضانی ای لقضی علی"،

جب عرب شعراء کے کلام میں اس قسم کی توجیہات کی گئی ہیں تو ہندوستانی
شعراء کے کلام کو کیوں اس سے محروم رکھا جائے،

؎ لاح دار العمل وحال الحول ۔۔۔ دارکاس المدام راس الحول

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں" "دار" اور "کاس" مؤنث سماعی ہیں اس لئے ان فاعلوں
کے فعل عربی قواعد کے مطابق "لاحت" اور "دارت" ہونا چاہیئے"

اس اعتراض کو پڑھ کر اس لئے تعجب ہوا کہ فعل کے مذکر و مؤنث لانے کا قاعدہ
نحو میر اور نحو کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں مثال کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ جب مؤنث سماعی
مظہر فعل کا فاعل واقع ہو جیسا کہ اس شعر میں ہے تو فعل کو مذکر اور مؤنث لانا دونوں
صحیح ہے، "نحو میر میں ہے" بدانکہ چوں فاعل مؤنث حقیقی باشد یا ضمیر مؤنث علامت تانیث
در فعل لازم باشد چوں قامت ہند و ہند قامت، و در مظہر مؤنث غیر حقیقی و در مظہر جمع
تکسیر دو وجہ روا باشد چوں طلع الشمس و طلعت الشمس و قال الرجال و
قالت الرجال"،

پھر ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا کہ عربی زبان میں دو ساکن حروف متصل نہیں ہوا کرتے

علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، کیا وقف کی حالت میں دو حرف ساکن متصل نہیں ہوتے جبکہ کلمہ کے آخری حرف سے پہلے حرف ساکن ہو، جیسے غفور، شکور، حلیم، حساب، کتاب، یعلمون، کافرون وغیرہ سیکڑوں ایسے کلمات ہیں جنہیں وقف کی حالت میں دو حرف ساکن متصل ہوتے ہیں اور تلاوت قرآن کریم کے وقت تمام علماء اور قراء اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں بغیر وقف میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے جیسے وَلَا الضَّآلِّیْنَ، میں ضاد کے بعد الف اور لام اوّل دونوں ساکن ہیں اور ایسے بہت سے کلمات قرآن کریم میں موجود ہیں "

ڈاکٹر صاحب نے یہی اعتراض باقراگاہ کے اس شعر پر کیا ہے،

ع وسریت غوی کالنسیم تلطفا — فهففت من طرب افاح ذکاء

کہ ذکاء عربی زبان میں مؤنث ہے اس لئے فاح ذکاء کی جگہ فاحت ذکاء چاہیے،

ع مازار طرفی غمض بعد بعدکم — ولاالخیال سروراً زار فی خلدی

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرے مصرعہ میں خیال سرور فارسی کا اثر ہے عربی میں خیال محبوبہ کی اس تصویر کو کہتے ہیں جو خواب میں نظر آئے،،

ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال ہے کہ "خیال" عربی میں محبوبہ کی اس تصویر ہی کو کہتے ہیں جو خواب میں نظر آئے لیکن شیخ احمد تھانیسری کے علاوہ غیر عجمی محقق علماء نے خیال کو اس معنی میں استعمال کیا ہے جس کو ڈاکٹر صاحب فارسی کا اثر کہتے ہیں، علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اپنی کتاب تفسیر روح المعانی میں قرآن کریم کے حروف مقطعات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "والذی یغلب علی الظن ان تحقیق ذالک علم مستور وسر محجوب عجزت العلماء کما قال ابن عباس عن ادراکه وقصرت خیول الخیال عن لحاقه[1]

[1] روح المعانی

علامہ ابن الہمام خط سترہ کی بحث میں لکھتے ہیں "والسنة اولی بالاتباع مع انه یظہر فی الجملة اذ المقصود جمع الخاطر بربط الخیال به کیلا ینتشر[1]"

سترہ کی بحث میں علامہ ابن عابدین شامی "فتاوی" الحلیة لکھتے ہیں: ویظہر ان الاولی اتخاذها فی هذا الحال وان لم یکره الترک لمقصود آخر وهو کف بصره عما وراءها وجمع خاطره بربط الخیال بها کذا فی رد المختار[2]،

لغت کی کتاب سے بھی اس استعمال کی تائید ہوتی ہے،

الخیال ماتشبه لك فی الیقظة والحلم من صورة والظن والوهم وشخص الرجل و طیفه و طلعة

ان محقق علماء اور کتب لغت کی شہادت کے بعد اس محاورہ کو فارسی کا اثر کہنا صحیح نہیں، آخر میں ایک جاہلی شاعر حارث ابن عباد[3] کا شعر پیش کیا جاتا ہے جس نے لفظ خیال کو اپنے شعر میں استعمال کیا ہے ع

قربا مربط النعامة منی — لقحت حرب وائل عن خیال

کیا اس شعر میں خیال کے وہی معنی ہیں جو ڈاکٹر صاحب نے بیان کئے ہیں؟ یا وہم و خیال مراد ہے،

ع جفتنی فذبتنی فغضت بغیظة — فذبت بشجن بین جنبی یشقق

ڈاکٹر صاحب نے اس شعر کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "محبوبہ بدسلوکی کے ساتھ مجھ سے پیش آئی، اور مجھے دھکے دئے پھر سخت غیظ و غضب کا اظہار کیا، بعد ازاں ایسا غم واندوہ دیکر نکال دیا جو میرے پہلوؤں کے درمیان کسک پیدا کرتا ہے" یہ ترجمہ بتاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب

[1] فتح الملہم ج ۲ صفحہ ۱۰۳، [3] ملاحظہ ہو فی سرنات الطرب من اغانی العرب فی قصیدة حارث العباد"

غظت کو واحد مؤنث غائب کا صیغہ غاظ یغیظ سے قرار دیتے ہیں، حالانکہ فن صرف کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ غاظ سے واحد مؤنث غاظت ہوگا جیسے باع سے باعت لطف یہ ہے کہ غظت سے شعر کا وزن بھی درست نہیں ہوتا، شاعر کے نزدیک واحد مؤنث غائب کا صیغہ نہیں ہے ورنہ وہ غاظت کہتا اور شعر کا وزن بھی درست ہو جاتا،

حقیقت یہ ہے کہ شاعر کے نزدیک غظتُ ربعتُ کے وزن پر غاظ واحد متکلم کا صیغہ ہے، اسی طرح ڈاکٹر صاحب دوسرے مصرعہ میں ذبتُ کو ذبّ یذبّ سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ بھی واحد متکلم کا صیغہ ذبتُ ہے، ذَابَ یذُوبُ سے قُلتُ کے وزن پر،

ڈاکٹر صاحب کی تجویز سے شعر لفظاً تو درست ہو جاتا ہے اور اس کے وزن میں انکسار نہیں پیدا ہوتا مگر معناً بالکل بے معنی ہو جاتا ہے، فطری بات ہے کہ جو دھکہ کھاتا ہے اس کو غم و غصہ ہوتا ہے، چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ میرے ساتھ محبوبہ نے نارو ا سلوک کیا اور مجھے دھکا دیا تو مجھے غصہ آیا اور گویا غم سے آگ لگ گئی اور میں پگھل گیا اور غم میرے پہلو میں موجزن رہا، اس لئے یقیناً شعر میں غظتُ واحد متکلم کا صیغہ ہے، عربی قواعد سے کسی طرح واحد مؤنث غائب کا نہیں ہو سکتا لیکن غظت کا استعمال یہاں پر عربی زبان کے محاورہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ غاظ یغیظ دوسرے کو غصہ دلانے کیلئے عربی زبان میں بولا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "یغیظ بہم الکفار" خود غصہ ہونے کے لئے اغتاظ باب افتعال سے مستعمل ہے اور تغیظ باب تفعل سے،

ادبیات

غزل

از جناب عروج زیدی

لمحہ بہ لمحہ رنگِ تغیر بشر میں ہے
عمرِ رواں کیساتھ ہر انساں سفر میں ہے

آسودگیٔ زیست کب اسکی نظر میں ہے
انساں ہنوز کشمکشِ خیر و شر میں ہے

تحریک اور جمود کے فرق آشنا ہیں ہم
منزل رسی میں کب ہے جو لذت سفر میں ہے

جب چشم التفات اٹھی تھی مرے لئے
وہ حسن اتفاق ابھی تک نظر میں ہے

مانگے کی چیز ہیں نکہت و نور و دلکشی
اپنا بھی کوئی حسن نمودِ سحر میں ہے

کیونکر بیاں ہو اشکِ محبت کی آب و تاب
وہ بات رنگِ گل میں نہ آبِ گہر میں ہے

دامن سے خار الجھے ہیں وہ بھی کبھی کبھی
پھولوں نے جو سلوک کیا ہو نظر میں ہے

اب اسکے بعد کوئی تغیر نہ انقلاب
یہ پہلوئے سکوں بھی غمِ معتبر میں ہے

میرا خدا شفیق، مرا ناخدا رفیق
یہ اور بات ہے مری کشتی بھنور میں ہے

مجکو مجالِ عرض تمنا تو ہے عروج
لیکن مآلِ عرض تمنا نظر میں ہے

غزل

از جناب سید رفیع الدین صاحب سالک رحمانی

مزاجِ نکہتِ گل آج برہم ہے مگر کیوں ہے
تلاطم خیز موجِ قلبِ شبنم ہے مگر کیوں ہے

ہزاروں سال سے فطرت ہے مصروفِ خود آرائی
پراگندہ ابھی تک زلفِ عالم ہے مگر کیوں ہے

جراحت دل کی تھی وجہ فروغِ دل مگر کیوں تھی
ترے نالوں میں اب تاثیرِ غم کم ہے مگر کیوں ہے

حیات افروز اک پیغام ہم لائے تھے دنیا میں
ہماری زندگی اب شورِ ماتم ہے مگر کیوں ہے

شکستِ جام و مینا ہے میخانہ میں ہنگامہ
شکستہ سازِ دل تقدیرِ آدم ہے مگر کیوں ہے

یہ راز آفرینش راز بن کر رہ نہیں پایا
شعورِ آدمیت پھر بھی مبہم ہے مگر کیوں ہے

ہم اہلِ دل ہیں عالم کے حقائق ہم پہ روشن ہیں
فریبِ خود نگاہی پھر بھی پیہم ہے مگر کیوں ہے

ہمیں ترکِ تعلق سے تمہارے کچھ نہیں شکوہ
کہ اب اس شہر میں جنسِ وفا کم ہے مگر کیوں ہے

وہ دھڑکن جس سے تھی احساس میں افسونگری سالکؔ
وہ دھڑکن زندگی کی آج مدھم ہے مگر کیوں ہے

غزل

از جناب ساحل ناگپوری

میں اپنی محبت کا چھیڑوں اگر افسانہ
سن لے جو کوئی ساحل ہو جائے وہ دیوانہ

پینے کا ہمارے ہے انداز جداگانہ
مخمور تو ہیں لیکن بادہ ہے نہ پیمانہ

اسرارِ حقیقت ہیں جو میری زباں پر ہو
کہنے کے لئے کہہ لے دنیا مجھے دیوانہ

ویرانے کی وسعت کو اربابِ خرد جانیں
میں نے تو یہ دیکھا ہے ذرّے میں ہے ویرانہ

محسوس یہ ہوتا ہے تو دور نہیں مجھ سے
معلوم یہ ہوتا ہے میں تجھ سے ہوں بیگانہ

ہم سوختہ جاں وقفِ آدابِ محبت ہیں
پھرتا ہے نگاہوں میں جلتا ہوا پروانہ

میں کون ہوں اے ساحلؔ یہ راز نہیں کھلتا
دیوانوں میں دیوانہ فرزانوں میں فرزانہ

مطبوعات جدیدہ

آپ بیتی یا یادِ ایّام: - چار حصے از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہٗ تقطیع چھوٹی ضخامت بالترتیب ۱۲۴، ۱۸۰، ۳۰۴، ۴۰۲ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ،

پتہ کتب خانہ یحیوی مظاہر العلوم سہارنپور،

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم کی ذات بابرکات اس دور میں شریعت وطریقت کی شمع فروزاں اور ارشاد و ہدایت کا سرچشمہ ہے، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا روحانی فیض آپ ہی کی ذات سے جاری ہے، اور گنگوہ، نانوتہ تھانہ بھون اور رائے پور کی خانقاہوں کا جلوہ سہارنپور میں یکجا نظر آتا ہے،

ع انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بزرگوں کے حالات وملفوظات وہ صحیفۂ ہدایت ہیں جنکی رہنمائی ہمیشہ قائم رہتی ہے اس لئے حضرت شیخ کے متوسلین کی دیرینہ تمنا تھی کہ آپ اپنے حالات قلمبند فرما دیتے مگر آپکے مشاغل میں اتنی فرصت کہاں تھی اتفاق سے آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں دو مرتبہ علی گڈھ میں کسی قدر طویل قیام کا اتفاق ہوا، اس زمانہ میں ہر قسم کے علمی و تعلیمی کاموں کی ممانعت

بھی اس لئے متوسلین کی درخواست پر اپنے حالات املا کرا دئے جنکو مزید ترمیم و اضافہ کے بعد کتب خانہ یحیوی نے چار حصوں میں شائع کیا ہے اس میں بچپن سے لیکر اب تک کے حالات آگئے ہیں،

حضرت شیخ کی پوری زندگی درس و تدریس، تالیف و تصنیف، ارشاد و ہدایت اور تجدید و اصلاح خصوصاً حدیث نبوی کے درس و تالیف میں گذری اس لئے آپ بیتی کا ہر ورق بصیرت افروز، سلوک و معرفت کا درس اور مذہبی علمی اور تعلیمی معلومات کا خزانہ ہے اس ضمن میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی بھی تاریخ آگئی ہے،

حضرت شیخ کا تعلق ایسے دودمان عالی اور تصوف کے ایسے سلسلۃ الذہب سے ہے جو علم و عمل اور شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھا جس میں ہر زمانہ میں بڑے بڑے علماء و مشائخ اور اہل اللہ پیدا ہوتے رہے انھیں کے دامن میں حضرت شیخ کی نشو و نما ہوئی اور زندگی کے ہر حصہ میں ان سے گہرا ربط رہا ہے، اس لئے آپ بیتی کے ضمن میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا محمد یحییؒ، شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاسؒ شاہ عبد الرحیمؒ اور شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ اور اس دور کے دوسرے بزرگوں کے جستہ جستہ سبق آموز حالات آگئے ہیں، اسطرح یہ کتاب اس دور کے بزرگوں کا اجمالی تذکرہ بھی ہے جس سے اس زمانہ کا پورا علمی مذہبی اور روحانی ماحول سامنے آجاتا ہے اسکو پڑھکر ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، یہ اس کتاب کا نمایاں پہلو ہے اور وہ جن مذہبی علمی تعلیمی اور اخلاقی و روحانی فوائد اور گوناگوں مفید معلومات پر مشتمل ہے اسکا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے اس میں ان سب کے طالبین کے ذوق کا پورا سامان موجود ہے، یہ کوئی مرتب تصنیف نہیں بلکہ برجستہ املا کرائی

گئی ہے اس لئے انداز بیان سادہ اور بے تکلف مگر شگفتہ اور دل آویز ہے، جا بجا لطائف و ظرائف کی چاشنی حضرت کی جمالی شان کا مظہر ہے،

صحبتے با اولیاء : مرتبہ مولانا محمد تقی الدین صاحب ندوی مظاہری

تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۶ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ؏ پتہ (۱) کتب خانہ یحیوی مظاہر العلوم سہارنپور (۲) مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

یہ کتاب حضرت شیخ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، یوں تو حضرت کا چشمۂ فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے مگر رمضان المبارک میں جو نزول برکات اور اہل اللہ کے ذوق و شوق کا خاص مہینہ ہے اس میں اور ہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، حضرت پورے مہینہ کا اعتکاف فرماتے ہیں اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے استفادہ کیلئے طالبین کا ہجوم ہو جاتا ہے اور سہارنپور کی نو تعمیر جامع مسجد درگاہ صفہ اور یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبہم کا منظر بن جاتی ہے اس زمانہ کے ملفوظات خصوصیت کے ساتھ قلمبند کرنے کے لائق ہوتے ہیں جس کی طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی، خوش قسمتی سے مولانا تقی الدین کو جو حضرت کے شاگرد بھی ہیں اور مرید با اختصاص بھی، اسطرف گذشتہ دو تین سال رمضان میں حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی انھوں نے اس زمانہ کے ملفوظات و ارشادات قلم بند کر لئے، اب اس گنج گرانمایہ کو مجلس معارف ترکیسر سورت نے صحبتے با اولیاء کے نام سے شائع کیا ہے یہ ملفوظات اصلاح نفس کا نسخہ، احسان و تصوف کا عطر اور سلوک و معرفت کا درس ہیں، شروع میں مرتب کے قلم سے کتاب کا تعارف اور مولانا علی میاں کے قلم سے ایک مؤثر اور دلنشین مقدمہ اور حضرت شیخ کے معمولات کا نقشہ ہے جو بجائے خود سلوک و طریقت کے سبق کی حیثیت رکھتا ہے، دونوں کتابیں اپنے فوائد کے لحاظ سے مسلمانوں خصوصاً سالکین طریقت کے

مطالعہ کے لائق ہیں،

ہندوستانی مسلمان پر ایک نظر:- مؤلفہ جناب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تقطیع بڑی ضخامت صفحات ۳۲، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے پتہ ادارۂ تحقیقات و نشریات اسلام دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ،

مولانا علی میاں کا قلم ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے اور نئے نئے رنگ میں جلوہ دکھاتا ہے، ہندوستانی مسلمان انکی تازہ تصنیف ہے اس میں ان کی مذہبی و معاشرتی زندگی آداب و تہذیب رسم و رواج اور عادات و خصائل کا نقشہ دکھایا ہے، کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں پیدائش سے لیکر بلوغ تک، دوسرے میں بلوغ سے موت تک کے رسوم، تیسرے میں تہذیب و معاشرت کا نقشہ، چوتھے میں مذہبی تہواروں، پانچویں میں عبادات و فرائض کا ذکر، چھٹے میں بعض مذہبی و ملی خصوصیات پر تبصرہ ہے جس سے اسکا ہر رخ سامنے آجاتا ہے، ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرت اور رسوم کا دائرہ بہت وسیع ہے، مصنف کا مقصد صاف ستھرے دیندار گھرانوں کی اسلامی معاشرت کا نقشہ دکھانا ہے اس مقصد میں یہ کتاب پوری طرح کامیاب ہے اس سے اس کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے کہیں کہیں بعض غیر اسلامی رسوم بھی نقد و تبصرہ کے بغیر نقل کر دی ہیں، مصنف کی دوسری علمی تصانیف کے مقابلہ میں یہ کتاب اگرچہ ہلکی پھلکی ہے لیکن افادہ عام کے لحاظ سے انسے زیادہ مفید ہے اور علمی کتابوں کی محنت و کاوش کا بار ہلکا کرنے کیلئے اس قسم کی تحمیض مصنف کے لئے ضروری ہے،

"م"

جلد ۱۱۰ ماہ رجب المرجب ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۷۲ عیسوی عدد ۲

مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۸۲-۸۴

مقالات

تہذیب کی تشکیل جدید (معاشی نظام) — جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، — ۸۵-۱۰۰

حافظ امان اللہ بنارسی — جناب مولانا قاضی اطہر صاحب ایڈیٹر البلاغ بمبئی — ۱۰۱-۱۱۴

قرون وسطیٰ کی تاریخ اور مورخین کا ایک تنقیدی جائزہ، — جناب الطاف حسین خاں شروانی، [illegible] کالج اودے [illegible] — ۱۱۵-[illegible]

لفظ گجری کی تحقیق، (ناقدین اردو کے نظریات کی روشنی میں) — جناب ڈاکٹر سید احتشام احمد صاحب (ندوی) — [illegible]-۱۳۷

وقت کی ناپ اور مساوات وقت — جناب بدیع الزماں صاحب اعظمی، — ۱۳۰-۱۴۳

مقالہ نما (مضامین الندوہ) — جناب مولوی سلمان شمسی صاحب ندوی — ۱۴۴-۱۵۳

ادبیات

غزل — جناب ڈاکٹر ولی الحق انصاری — ۱۵۴

" — جناب ماہر القادری — ۱۵۴-۱۵۵

" — جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری — ۱۵۵

مطبوعات — "ض" — ۱۵۶-۱۶۰